اردو مرکز لائبریری

پیام زندگی

جلد ششم

مرتبہ اردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز انارکلی لاہور

اُردو مرکز لائبریری
اُردو ادب کے جاں فروز مرشیوں کا علمی انتخاب

پیامِ زندگی

جلد ششم

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
(اقبال)

مُرتّبہ
مولٰینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد

بہ اعانت
حضرات اراکین اُردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

اُردُو مَرکز لاہَور

ملک کی واحد اکیڈمی (اُردو مرکز لاہور) انتخاب ہفت کشور پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں ذیل کے اہم مقاصد کی تکمیل کیلیئے ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے۔

(۱) اردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اس جاندار اور مفید حصّے کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے جتّی الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلّدات میں شائع کرنا۔

(۲) اُردو زبان کی مکمّل انسائیکلوپیڈیا کی تالیف۔

(۳) ایک جامع اُردو لُغات کی ترتیب۔

(۴) اردو مرکز کی مجلس اُدبا (جو درحقیقت اُردو زبان کیلئے ایک ادبی دارالافتا ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع و متنازع فیہ امور کے متعلّق ناطق فیصلہ کرنا۔

ایک باوقار علمی جماعت جسمیں ملک کے سربرآوردہ اہلِ قلم اور منتخب انشاپرداز شریک ہیں۔ اُردو مرکز مذکورہ بالا اہم مقاصد میں سے پہلے مقصد کی تکمیل پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کیئے ہوئے ہے اسکی پہلی زرین کوشش تیس گرانقدر مجلّدات کی صورت میں قدر شناس نگاہوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے آنریبل سرشیخ عبدالقادر بالقابہ۔ خان بہادر شیخ نور الٰہی آئی۔ ای۔ ایس پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی جیسے نقادانِ ادب کے مشوروں کے ماتحت یہ مجلّدات جماعت اُردو مرکز نے ترتیب دئے ہیں قدر شناس اہل نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ تو ہم کم و بیش ڈیڑھ سو مجلّدات شائع کرکے اُردو مصنّفین کو بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کردینگے +

تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد و چیف ایڈیٹر اُردو مرکز لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس واقع ایبٹ روڈ لاہور میں باہتمام بابو گوراندتامل صاحب منیجر شائع ہوئی

فہرست مضامین

پیام زندگی

(جلد ششم)

(شہادت حضرت قاسمؑ)

صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرتِ قاسم کی شہادت

حضرتِ قاسم حضرت امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے اور حضرت امام حسینؑ کے بھتیجے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسنؑ یہ وصیت کر گئے تھے کہ حضرت قاسمؑ کا عقد حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی حضرتِ کبریٰ کے ساتھ ہو۔ چنانچہ مرثیہ نگاروں کے نزدیک شب عاشورہ یعنی ۱۰ محرم کی شب کو یہ وصیت پوری کر دی گئی۔ اور حضرت قاسمؑ کا نکاح حضرتِ امام حسینؑ کی صاحبزادی کے ساتھ ہو گیا۔ رات کو شادی ہوئی اور دوسرے ہی دن حضرت قاسمؑ میدانِ جنگ میں جا کر شہید ہو گئے۔ شہادت حضرت قاسمؑ پر جو مراثی لکھے گئے ہیں۔ ان میں بالعموم حسب ذیل امور مشترک ہیں۔

(۱) والدہ حضرت قاسم کا جوشِ غیرت اور حضرت قاسم کو ترغیب جنگ۔

(۲) ازرق شامی کے چاروں بیٹوں سے مقابلہ اور ان کی موت۔

(۳) ازرق سے مقابلہ اور حضرتِ قاسم کے ہاتھ سے اسکی ہلاکت۔

(۴) فوج کا حضرت قاسمؑ پر نرغہ اور آپ کی شہادت۔

(۵) حضرت قاسمؑ کی ماں اور آپ کی دلہن کی پُرگداز گریہ وزاری،
ان تمام مرثیوں میں پہلوانوں کے مقابلے، فن سپاہگری کی نمایش، لڑائی کے پینترے، تیر اندازی اور گرز افگنی کے فوٹو، اصطلاحاتِ جنگ اور رزمیہ مناظر کو نہایت خوبی سے نظم کیا گیا ہے ؛

حضرت فصیح لکھنوی

بقول مرثیہ نگار حضرت قاسمؑ کا عقد حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی حضرت کبریٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسکے دوسرے ہی دن حضرت قاسمؑ میدانِ کارزار میں جاتے ہیں۔ ایک طرف جناب سیّد الشہدا اپنے بھتیجے اور داماد کے غم میں بیقرار ہیں۔ دوسری جانب مخدرات درِ خیمہ کے قریب کھڑی ہیں۔ اور ایک کہرام بپا ہے حضرت قاسمؑ میدانِ مقابلہ میں پہنچکر رجز خوانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد مرثیہ نگار کہتا ہے کہ

واقعہ نگاری

ناگہ عمرِ سعد نے ازرق کو پکارا ۔ کوفی نے کیا حرب کا شامی کو اشارا
ازرقؔ نے کہا اے عمرِ سعد خدا را ۔ لڑکے سے نہ لڑوایہ نہیں ننگ گوارا

ؔ سپاہِ شام کا افسر اعلیٰ ؔ فوج شام کا ایک زبردست پہلوان -

اس طفل سے کیا لڑنے کا آہنگ کریں ہیں
عباس علی آئیں تو ہاں جنگ کریں ہیں

حضرت قاسمؑ کے ہاتھ سے فرزند ازرق مارا جاتا ہے - اسکے بعد دوسرا آتا ہے - مقابلہ کرتے ہوئے آپ زخمی ہو جاتے ہیں - یہ حالت مادرِ حضرت قاسمؑ درِ خیمہ سے مشاہدہ کر رہی ہیں - محبتِ مادری جوش میں آ جاتی ہے - بے اختیار حضرت امام سے کہ اٹھتی ہیں :-

پُر درد بیان

ہے ہے مرے فرزند پہ کیا تیغ لگائی　　ہے ہے مری محبوب نے تلوار وہ کھائی
دروازہ تلک[۱] روتی دلہن اسکی ہے آئی　　کچھ شرم سے کہتی نہیں ہے آپ کی جائی
حیرت زدہ میداں کو کھڑی تکتی ہے کبریٰ
مانع ہے حیا بول نہیں سکتی ہے کبریٰ

القصہ ستمگار جو آیا تھا مقابل　　قاسمؑ نے جہنم میں کیا اسکو بھی داخل
دو اور جو باقی تھے کیا انکو بھی بسمل　　نوشاہ کی جرأت کے ستمگر ہوئے قائل
ازرق کی لہو آنکھوں میں اس دم اتر آیا
جوں فیلِ دماں دوڑ کے نوشاہ پہ آیا

حضرت امام حسینؑ حضرت قاسمؑ کے متعلق مشوش ہو کر کہتے ہیں -

---

[۱] تک کی جگہ ، اب متروک ہے -

زخموں سے بہت چور ہے طاقت نہیں تن میں　　اس سن میں لڑا چار ستمگاروں سے رن میں
اک بوند نہ پانی کی گئی اسکے دہن میں　　ہے غش کی سی حالت جو نہیں خون بدن میں
تلوار کہیں ہاتھ سے اب چھوٹ نہ جائے
اس سنگ سے یارب یہ گہر ٹوٹ نہ جائے

قاسمؑ نے شجاعت سے وہاں تیغ سنبھالی　　جسوقت چلا نیزہ کیا گھائی کو خالی
بجلی سی لگی کوندنے پھر تیغ ہلالی　　للکار کے آیا جو وہ ابن شہ عالی
اک ہاتھ پڑا ازرقِ شامی کی کمر پر
دو ٹکڑے ہوا رک نہ سکا وار سپر پہ

ازرق کو قتل کر کے حضرتِ قاسمؑ خیمہ کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ بیبیوں کے دلوں میں مسرت وشادمانی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ حضرت قاسمؑ کے زخموں سے خون بہ رہا ہے۔ مادرِ حضرت قاسمؑ سجدہ میں مصروفِ دعا تھیں کہ اتنے میں آمدِ فرزند کی خبر معلوم ہوتی ہے۔ جذباتِ مسرت والم کے تصادم سے جو کیفیت پیدا ہوئی مرثیہ نگار اسکی تصویر اسطرح کھینچتا ہے:

نوشاہ کی ماں سن یہ خبر خاک سے اٹھی　　آنسو تھے کچھ آنکھوں میں تو کچھ چہرہ پہ سرخی
کہتی تھی چلو بیبیو اب خیمہ میں جلدی　　میداں سے مرے شیر کی آتی ہے سواری
دروازے سے اسوقت اٹھالاؤ دلہن کو
اس شکل سے دولہا کو نہ دکھلاؤ دلہن کو

بیبیاں آمدِ شاہ کی خبر سنکر مصروفِ اہتمام ہیں۔ اسطرف یہ واقعہ

گذرا کہ:

تھا آلِ پیمبر کو یقیں آتا ہے نوشاہ
لشکر کو پکارا عمر سعد نے ناگاہ

اے لشکریو جانے نہ دو روک لو ہاں راہ
ہالہ ہوئی سب فوج گھرا بیچ میں وہ ماہ

ہر سمت سی تلوار لگی پڑنے بدن پر
سب فوجِ ستم ٹوٹ پڑی ابن حسن پر

یہ حال دیکھ کر حضرت امام حسینؑ مع چند رفقا مدد کے لئے بڑھتے ہیں۔ جنگ شروع ہوتی ہے۔ تیغ حسینی کے جوہر ملاحظہ ہوں۔

جو وقت کہ للکار کے آئے وہ دلاور
تلوار لگی چلنے لڑی فوجِ ستمگر

اک دم میں ہوئے اہلِ جفا سینکڑوں بے سر
ٹھہرے نہ قدم بھاگ چلا شام کا لشکر

کائی سی لگیں پھٹنے صفیں بدگہروں کی
حالت تھی پراگندہ سواروں کے پروں کی

حضرت امامؑ حضرت قاسم کے پاس جا کر دیکھتے ہیں کہ بھتیجا فرشِ خاک پہ بے جان پڑا ہے۔ حضرت امام کی حالت اور بھی متغیر ہو جاتی ہے۔ مرثیہ نگار نے اس موقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

سینہ سی لگا کر اسے روئے شہِ مظلوم
چومی کبھی پیشانی کبھی منہ کبھی حلقوم

اتنے میں اسی سبطِ پیمبرؐ نے اٹھایا
دولھا کو عجب پیار سی سرور نے اٹھایا

عمامہ کو عباس دلاور نے اٹھایا
اور خاک سی نیزہ علی اکبر نے اٹھایا

زخمی تنِ پُرنور تھا دوشِ شہِ دیں پر
اور پاؤں لٹکتے ہوئے آتے تھے زمیں پر

حضرت امام لاشۂ حضرت قاسم کو لے کر خیمۂ حرم کے قریب پہنچتے ہیں - یکایک بیبیوں کو خلافِ امید یہ خبر معلوم ہوتی ہے - والدۂ حضرت قاسم کو یقین نہیں آتا -

تھا مادرِ قاسم کا تو اسوقت عجب حال
کہتی تھی کہ اے لوگو! نکالو نہ بُری فال
اے بیبیو کیوں روتی ہو جیتا ہے مرا لال
یہ لاش کسی اور کی ہے خوں میں ہے پامال
نوشاہ مرا فتح کے بعد آتا ہے گھر کو
میں دیکھ ابھی آئی ہوں اس شکلِ قمر کو

میر ضمیر لکھنوی

حضرت قاسمؑ کا سراپا

چتون سے یہ عیاں ہے کہ جینے سے سیر ہے
کیا ہی دلاور اور یہ کیا ہی دلیر ہے
یاں گردنِ غرور زبردست زیر ہے
یہ غازیوں کا تاج ہے شیروں کا شیر ہے
سر کیوں نکل پڑے نہ دریچوں سے حور کا
ہے جلوہ اس جوان میں محمدؐ کے نور کا

باندھا ہے سر پہ سبز عمامہ با فتخار دکھلا رہا ہے یہ حسنی رنگ کی بہار
اور بر میں سرخ خلعتِ شادی ہے آشکار اور سبز سرخ رنگ کا مُن لو مآل کار
مطلب یہ ہے بتول کے اس نورِ عین کا
ہیں جامع شرف ہوں حسنؑ و حسینؑ کا

کیا صانع ازل نے یہ صورت بنائی ہے ایک ایک چیز ساری بزرگوں کی پائی ہے
سیرت رسول کی انہیں حصہ میں آئی ہے پوتے ہیں جرأت اسد اللہ سمائی ہے
کم گوئی ہے بھری حسن تلخ کام کی
مظلومیت حسین علیہ السلام کی

ارمان بسکہ دلمیں بھرے ہونگے بیحساب دولہا بنا دیا اسی ماں نے بصد شتاب
ہے بھولا پن ہنوز نہیں آمدِ شباب جاگا تھا ساری رات تو ہے چشم نیم خواب
سہرے کے تار رخ پہ مشابہ نقاب کے
مُنہ آفتاب اور وہ خطوط آفتاب کے

اسکے بعد مرثیہ نگار حضرت قاسم کے سراپا اور اسلحہ جنگ کی تعریف میں ایک طویل سلسلہ شروع کر دیتا ہے - نمونہ کے طور پر ایک بند ملاحظہ ہو -

ہنستا ہے یہ بشوق شہادت جو دل ملول جھڑتے ہیں غنچہ دہن لالہ گوں سے پھول
دانتوں کی آب و تاب گہر کو نہیں حصول لب اسکے برگ گل ہیں حضو ذوی العقول
اس لطف کا جو ذکر چمن میں صبا کرے
شبنم گلوں پہ خندۂ دنداں نما کرے

کی ابرِ فوجِ شام نے جو بارشِ خدنگ تیروں نے صاف آگے سنایا پیام جنگ
ابنِ حسنؑ نے کھینچ لی شمشیرِ بے درنگ تیور جو بدلے ہو گئی سب فوجِ شام دنگ
جُوں سرو واں زمیں میں قدم سب کے گڑ گئے
چھایا یہ خوف سینوں میں دم ہی اکھڑ گئے

اس کے بعد گیسوؤں کو واللیل اور عارض کو شمس الضحیٰ کہتے ہیں ابروؑ کو ہلال اور اسی قسم کی چند پیش پا افتادہ تشبیہات لاتے ہوئے ایک جگہ دانتوں کی تعریف میں مرثیہ نگار نے ایک مصرع خوب کہا ہے

منہ موتیوں سے صانعِ قدرت نے بھر دیا

اسی سلسلہ بیان میں کہتے ہیں ۔

پہنچے کچھ ایسی شان سے اہلِ جفا تلک
قدرت خدا کی آئی نظر سر سے پا تلک

اسکے بعد پھر سراپا کا بقیہ حصّہ شروع ہوتا ہے اور پھر وہی بال بال گننے کی سعی نظر آرہی ہے ۔ جس میں کوئی خاص جدّتِ فکر نہیں ۔ ایک جگہ حنائی انگلیوں کو شمعِ حرم کہتے ہیں ۔ پھر دستِ خاص کو پنجۂ مرجان، کبھی پنجۂ خورشید کہکر اُسے اعجازِ موسوی اور یدِ بیضا کہ دیتے ہیں ۔ پھر کمرِ راست کے آگے کمرِ آسمان کو خم کر دیتے ہیں ۔ قدم کی تعریف میں "ثابت قدم" کا ضلع کہتے ہوئے بالآخر خاکِ قدم کو حور کے لئے سرمہ اور کفش کو سرِ فغفور کا تاج بتا کر دم لیتے ہیں ۔

پھر فرماتے ہیں :۔

نوشہ کے زیبِ جسم جو خلعت ہی سرخ رنگ　　پہنا ہی آج اُسپہ زرہ کو برائے جنگ
دریائے خوں کا دامِ قضا میں پھنسا نہنگ　　گویا شفق کو شام نے بر میں لیا ہی تنگ
دیکھو بچشمِ غور ذرا اس بہار کو
سنبل نے چھالیا چمن لالہ زار کو

اب اسکے دوشِ پاک پہ ہی اسطرح سپر　　نقشِ قدم علیؑ کا ہی دوشِ رسُول پر
اور پیش دیدہ ونگہِ صاحبِ نظر　　ہے پشت پر یہ سایۂ دستِ نبیؐ مگر
کب داغ سینہ و دل یعقوبؑ ہال ہے
اسکی سپر تو عارض یوسفؑ کا خال ہے

گھوڑا وہ تیز رو ہی کہ ناگاہ اکیبار　　اتنا کہا تھا وہم نے یاں چل تو راہوار
دونو نے ہم عنانی و سرعت کی اختیار　　آخر کہاں وہ او کہاں وہم ہرزہ کار
کچھ کچھ تو ساتھ ساتھ یہ مقدور بھر گیا
پھر یہ خبر نہیں کہ کہاں تھا کدھر گیا

وقتِ نبرد ہاتھ میں ہو تیغ آبدار　　اور دوسرے میں ہو سپرِ آہن استوار
اسکی عناں کمر میں لپیٹے اگر سوار　　ہر سو پھرے اشاروں میں اللہ ری اہوار
دستِ خیال گر کہیں پڑجائے باگ پر
اڑ جائے اسطرح سی کہ سیماب آگ پر

اس حُسن پر پڑی جو نگاہِ سپاہ شام　　کوئی درود بھیجتا تھا اور کوئی سلام
کہتا تھا کوئی میں تو ہوں اس شخص کا غلام　　دادا امام باپ امام اور چچا امام

اسکے سبب زمیں کو ہے فخر آسمان پر
وہ ہاتھ قطع ہوں جو اٹھیں اس جوان پر

اس ماں کا دیکھیو تو خدارا دل و جگر
جسنے کیا یہ لعل تصدق حسینؑ پر

گر ہاجرہ نے راہ خدا میں دیا پسر
ایسا نہ ہوگا حسن میں وہ غیرت قمر

لڑنے میں اسکے ہمکو تردد کمال ہے
سنتے ہیں ہم کہ یہ زنِ بیوہ کا لال ہے

ازرق نے اپنے ایک پسر سے کہا کہ ہاں
جلدی سے لا سر اس پسرِ ہاشمی کا یاں

آیا مقابلہ میں وہ کرکے سبک عناں
قاسمؑ نے اپنے ہاتھ میں نیزے کو دی تکاں

سینے سے پار ہو گیا مارا جو زور سے
تحسین کی صدا اٹھی رستم کی گور سے

اسی طرح دوسرا لڑکا مارا گیا تو تیسرا بڑھا۔

فرزند تیسرا ہوا مصروف امتحاں
شمشیر کھینچکر وہیں سے ہوا رواں

قاسمؑ نے زور بازوئے حیدر کیا عیاں
پٹکے کو تھام پھینکدیا سوئے آسماں

جب ہو گیا بلند تو سر کو فرو کیا
گرنے لگا زمین کے اوپر تو دو کیا

چوتھا پسر رواں ہوا مانند فیل مست
اک تیغ مثل تختۂ در تھام کر بدست

نوشاہ نے دکھائی اسے طرفہ ضرب بہت
اسوقت کھل گیا سخن فتح اور شکست

سینے میں آکے دھنس گیا خود ایک مشت میں
صدمے سے ضرب آگئی گھوڑے کی پشت میں

ازرق شامی کا چوتھا لڑکا حضرت قاسمؑ کی تیغِ بے نیام کا شکار ہو جاتا ہے - حضرت امام حسینؑ حضرت قاسمؑ کی جراءت و شجاعت کی اسطرح داد دیتے ہیں - کہ قاسمؑ! تونے اس جنگ میں اپنے دادا کا نام رکھ لیا -

گھوڑے سے تب اتر کیا نوشاہ نے سلام
اور عرض کی کہ آنہیں سکتا ہے یہ غلام
قاسمؑ کریگا پشت نہ سوئے سپاہ شام
گو مضطرب ہیں خیمہ میں اہل حرم تمام
کہدیجیئے کسی طرح اپنی زبان سے
میری سلامتی کی خبر اماں جان سے

یاں تھے کھڑے جو اکبر و عباس نامور
کیا دیکھتے ہیں وہ سوئے میداں اٹھا کے سر
قاسم کی سمت آتا ہے ازرق بچشم تر
گرزِ گراں ہے ہاتھ میں مبہوت سر بسر
چاروں پسر کی لاش تو پیش نگاہ ہے
آنکھوں سے سوجھتا نہیں عالم سیاہ ہے

ہر آنکھ طاس خون ہے غصہ سے منہ میں کف
آتا ہے فیل مست کے مانند پیش صف
یاں پاؤں ڈالتا ہے تو پڑتا ہے اسطرف
اور بج رہا ہے فوج میں قرنا و کوس دف
اکبرؑ نے اس شقی کی جو آمد نگاہ کی
قاسمؑ کی کم سنی پہ نظر کرکے آہ کی

حضرت امام حسینؑ کمال پریشانی کی حالت میں خیمہ میں تشریف لے جاتے ہیں - تمام اہل بیت آپ کے گرد جمع ہو کر بارگاہ احدیت میں دعا مانگتے ہیں -

کہ الٰہی حضرت قاسمؑ کو ازرق کے شر سے محفوظ رکھنا - دُعائیں جو بند لکھے ہیں - اس میں نہ کوئی ندرتِ بیان ہے اور نہ جوش - صرف پانچ چھ مصرعوں کی ایک بے کیف نظم ہے - جس میں نام کو بھی شائبۂ تاثیر نہیں - ایک بند کی ٹیپ ملاحظہ ہو -

داماد کو الٰہی مرے زندہ کیجیو
کبرا کے مُنہ سے مجھکو نہ شرمندہ کیجیو

اسکے بعد حضرت قاسمؑ اور ازرق کی باہمی جنگ اور ردّ و بدل کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں -

یاں ہو رہی تھی قاسم و ازرق سی کارزار
یہ اسکا وار روکتے تھے اور وہ انکا وار
گرد اسطرح اڑی تھی کہ جسکا نہیں شمار
ڈوبے ہوئے پسینے میں تھے دونو راہوار
اسکی ہوئی نہ فتح نہ ان کی ظفر ہوئی
ہفتاد ضرب ردّ و بدل یکدگر ہوئی

وہ دوڑتا تھا تول کے جب گرز گاؤسر
یہ روکتے تھے ضرب بدن کو سمیٹ کر
پڑتا تھا گرز آن کے یوں بر سر سپر
لنگر سے اسکے ہلتی تھی رہوار کی کمر
اور انکی تیغ پڑتی تھی اس آن بان سے
آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے

قاسمؑ سے یوں لڑا وہ شقی کرکے جدّ و کد
حیدر سے جوں لڑا عمر ابن عبد ود
نوشاہ نے کہا اسے حملوں کو کرکے رد
گھوڑے کا تنگ کھل گیا اے مرد بے خرد

وہ اپنے سر جھکانے میں کرتا درنگ تھا
یاں اس درنگ میں نہ وہ سر تھا نہ تنگ تھا

اسوقت ضبط فوج عدو سے نہ ہوسکا تحسین کی بلند ہوئی دفعتاً صدا
خیمے میں شاہ گوش بر آواز تھے جدا سن غلغلہ کو مادرِ قاسم سے یہ کہا
اس بے پدر پہ رحم کیا ذوالجلال نے
اے بی بی شیر مار لیا تیرے لال نے

انہیں کہا یہ اکبر و عباس نے پکار ہاں لیجئے شتاب خبر شاہِ نامدار
نوشاہ سے ہیں مستعد جنگ سب سوار ساری سپاہ ٹوٹ پڑی اسپہ ایک بار
مردے تلک تو چونک اٹھے اپنی گور سے
تلوار چل رہی ہے بڑے زور شور سے

سنکر صدائے نالۂ عباس حق شناس نوشاہ کی طرف سے ہوئی بیبیوں کو یاس
یاں ایک جان اور ادھر فوج بیقیاس چھایا خصوص مادرِ قاسم پہ اک ہراس
سینے میں دفعتہً جگر و دل اچھل پڑے
نزدیک تھا کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

سید الشہدا جناب امام حسینؑ بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے کیلئے خیمہ سے باہر تشریف لیجانے پر آمادہ ہیں، والدۂ حضرت قاسمؑ کو تسکین دے کر فرماتے ہیں کہ تم مطمئن رہو۔ میں قاسمؑ کی جلد خبر لاتا ہوں۔

یاں شہ نے دیکھا تیری چمکتے ہیں مثل برق تیغوں میں اور صاعقہ میں کچھ نہیں ہے فرق
دریائے آہنی میں ہے لشکر تمام غرق اسپر زمیں میں لوٹتے ہیں دست و پا و فرق

قاسمؑ کا اب تلک وہی ہوش و حواس ہے
آتی ہے یہ صدا کہ چچا جان پیاس ہے

قاسم کو دی صدا شہِ دین نے کہ جانِ غم تم مضطرب نہ ہو جیو دل میں کہ آئے ہم
قاسم نے مُنہ کو موڑ کے دیکھا بس ایکدم عمّو کی سمت منہ کو پھرانا ہوا ستم

کام اپنا ہائے خواہشِ تقدیر کر گئی
برچھی کسی کی پشت سے باہر گذر گئی

جناب امام حسینؑ بھتیجے کے قریب جانا چاہتے ہیں کہ فوج شام درمیان میں حائل ہو جاتی ہے۔

یوں گر پڑا وہ شاہ کا پیارا زمین پر
گرتا ہے جیسے ٹوٹ کے تارا زمین پر

اسکے بعد فوجِ شام نے گھوڑوں سے آپ کے لاشہ کو پامال کر ڈالا

گھوڑے کودائے خوب سے اس جسمِ پاک پر
جز استخواں نشاں نہ رہا اسکا خاک پہ

جب سامنے سے گر گئی فوجِ عدو فرار شہ نے قریبِ لاشہ قاسمؑ کیا گذار
دیکھا کہ ایک نیزہ ہے سینے کے وار پار اک استخوان تک نہیں سینے میں برقرار

سب جسم نازنیں ہوا چُور چُور ہے
لیکن ہنوز چہرۂ اقدس پہ نور ہے

ناگاہ آئی مادرِ قاسمؑ کی یہ صدا قاسمؑ کو جلد لائیے یا شاہ کربلا
زانو پہ ہاتھ مار کے شبیر نے کہا دولہا کا ایک عضو بھی ثابت نہیں رہا

مجھ سے یہ لاش اب نہیں اٹھوائی جاتی ہے
بھائی تمہارے منہ سے مجھے شرم آتی ہے

مرنے پہ کمر باندھی جو شہ کے رفقا نے
مجرے کو مراتب بہ مراتب لگے آنے
فردوس کی دی خوشخبری پیک قضا نے
شبیر لگے انکے پرے آپ جمانے
اسوقت نصیب اجل ان سب کو پکارا
شبیر کے کام آؤ خوشا حال تمہارا

حضرت امام حسینؑ کے رفقا کو نام بنام گنواتے ہوئے کہتے ہیں۔

ان لڑکوں میں دو حضرت مسلم کے پسر تھے
کوفے کے مسافر کے وہ دو نور نظر تھے
بچپن ہی سے باندھے ہوئے مرنے پہ کمر تھے
کیا انکا سن و سال تھا کیا انکے جگر تھے
وہ حسن کے دریا تھے کہ چہروں پہ بہے تھے
آئینۂ شمشیر میں منہ دیکھ رہے تھے

جس روز سے دونوں نے سنبھالا تھا ذرا ہوش
بابا کی انہیں یاد نہ ہوتی تھی فراموش
مسلم کا لہو سینوں میں جب مارتا تھا جوش
ان کوفیوں کو دیکھکے رہجاتے تھے خاموش
حضرت کو جتاتے تھے یہ انداز دگر سے
تلواریں تو کچھ اگلی ہی پڑتی ہیں کمر سے

زینب کے پسر نور نظر ماہ کے پارے
دونوں فلک ہمت و جرأت کے ستارے
شبیر انہیں کہتے تھے تم ہو مرے پیارے
تھے سن کے موافق سبھی ہتھیار بھی سارے

وہ جامے جو پہنے تھے وہ زینب نے سیے تھے
اور شاہ نے عمامے وہ خود باندھ دیے تھے

گھوڑوں کو وہ گرما کے ہنر اپنا دکھاتے
ہنستے ہوئے جاتے کبھی اور کھیلتے آتے
گہ پھینکتے سرپٹ گہے کاووں پہ لگاتے
اک نیزے کو سو سو طرح میداں میں ہلاتے

قطرے جو عرق کے رخِ انور سے ٹپکتے
خورشید کئی دنکو ستارے سے چمکتے

حضرت علی اکبر کا سراپا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

گلبرگ تھے لب اور صراحی سا گلا تھا
سینہ تھا کہ گنجینۂ اسرار خدا تھا
اور گول یہ بازو تھا کہ سانچے میں ڈھلا تھا
ہر عضو غرض جوشِ جوانی سے بھرا تھا

سب کہتے تھے ہتھیاروں نے زینت ہی جو ان کی
یاں شانوں سے دونی ہوئی ہی شان کماں کی

حضرت قاسم کی میدان کو روانگی۔

میداں میں ہوا چہرۂ قاسمؑ سے اجالا
پر تو رخِ پر نور نے ہر سمت کو ڈالا
اعدا نے کہا دیکھ سوئے عالمِ بالا
العظمۃ للہ تبارک و تعالےٰ

اک پھولوں کا اک موتیوں کا ہار پڑا تھا
ڈوبا ہوا وہ حسن کے دریا میں کھڑا تھا

لہٰ "العظمۃ للہ تبارک و تعالےٰ" عربی کا فقرہ ہے۔ کسی حیرت انگیز اور شاندار چیز کو دیکھ کر بولتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ عظمت اور بڑائی صرف خدا ہی کو زیبا ہے ؏

لشکرِ غنیم کا مشہور شہزور پہلوان ازرق ابن سعد کے اکسانے سے اپنے بیٹوں کو حضرت قاسمؑ کے مقابلے میں یکے بعد دیگرے بھیجتا ہے۔ میرضمیر اسکے چھوٹے لڑکے اور حضرت قاسمؑ کی جنگ کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں۔

جب یہ پسرِ سعد، کو ازرق نے سنایا　　اسکے پسرِ خورد نے گھوڑے کو بڑھایا
تب حضرتِ قاسم کے بھی تیور پہ بل آیا　　مرکب کو اڑاتے ہوئے نیزے کو اٹھایا
نکلے یہ ادہر سے وہ بڑھا دوسری صف سے
نیزوں کی انی چلنے لگی دونوں طرف سے

ازرق کے دو بیٹے ٹھکانے لگے تو تیسرا مقابلے پر آیا۔ مگر حضرت قاسمؑ نے اسے دم بھی نہ لینے دیا اور

پکڑا جو کمر بند اٹھالے گئے زیں سے
پٹکا جو زمیں پر تو نہ گرد اٹھی زمیں سے

نیزے کی ہیں کیا رد و بدل کا کہوں عالم　　قاسمؑ نے کئی وار تو خالی دیے اسدم
نیزے کی انی پر وہ انی روک کے پیہم　　آخر اسد اللہ کا پوتا ہوا برہم
سینہ پہ غرض وار کیا اس تگ و دو سے
دو ہاتھ نکل آئی سناں پشتِ عدو سے

اسکے دوسرے بیٹے سے معرکہ آرائی ہوتی ہے۔ اور

غصہ جو ہوا طاری جوانِ حسنی پر
اسکو بھی اٹھالے گیا نیزے کی انی پر

ازرق اپنے شہزور بیٹوں کو حضرت قاسمؑ کی تیغ بے نیام کے سپرد کر کے اب خود مقابلہ پر آتا ہے۔

بس کرنے لگے قاسم و ازرق ہنر اظہار
خالی ہوئے ترکش تو چلے نیزۂ خونخوار
نیزے بھی جو ٹوٹے تو گرے ہو کے نگونسار
سب وار تو خالی گئے باقی رہی تلوار

قاسم نے لیا میان سے تیغ دو زباں کو
ازرق نے اٹھایا ادہر اس گرز گراں کو

وہ گرز کو لیکر جو ہوا مستعد جنگ
قاسم نے کہا دل سے کہ اب تا ہوں چورنگ
قاسم کو تو آتے تھے بھلا دونکے بہت ڈھنگ
ازرق کو کہا کھل گیا گھوڑے کا تری تنگ

واں گھوڑے سے وہ تنگ کی جانب جو جھکا تھا
یاں گھوڑے سے یہ تنگ تلک کاٹ چکا تھا

حضرت قاسمؑ کے رہوار عبار رفتار کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں

گھوڑا تھا چھلاوا کبھی یاں اور کبھی واں تہا
آتا تھا نظر اور کبھی نظروں سے نہاں تھا
جوں برق قیام ایک جگہ اسکو کہاں تہا
گہ میمنہ گہ میسرہ کی سمت رواں تھا

بے حکم وہ قاسم کے نہ ٹھہرا تھا کہیں پر
اس دوڑ میں رہ رہ گیا سایہ بھی زمیں پر

—— ◆ ——

حضرت خلیلؔ لکھنوی

دشت میں یوسفِ کنعانِ حسن آتے ہیں   راحتِ جانِ شہنشاہ زمن آتے ہیں
غیرتِ حُسنِ حسینانِ زمن آتے ہیں   گلرخ و گلبدن و غنچہ دہن آتے ہیں
عطرِ دامن سے معطر ہے ہوا جنگل کی
ناز فردوس پہ کرتی ہے زمیں مقتل کی

ان شاعرانہ ناز آفرینیوں کے بعد کہتے ہیں کہ حضرت قاسم جب میدانِ جنگ میں پہنچے تو فوجِ مخالف میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔

ڈر سے پیدل ہوئی پسپا جو رسالے بھاگے   مورچے ٹوٹ گئے برچھیوں والے بھاگے
بزدلے جو تھے وہ جان اپنی چُرالے بھاگے   پنجۂ شیر سے اپنی کو بچالے بھاگے
کہتے آپس میں ہیں جان اب مری بچ جائیگی
یہ نہ واقف ہیں قضا سر پہ بلا لائیگی

بزدلوں کا مضحکہ انگیز نقشہ

جو سوار ہیں گھیرے ہے انہیں خوف جدال   ہوش بالکل نہیں بدتر یہ سوار نکا ہے حال
پشت رہوار پہ کاٹھی کی جگہ کس گئی ڈھال   سیدھے بیٹھے ہیں کہ الٹے نہ کچھ اسکا ہے خیال
باگ سے کچھ نہ علاقہ نہ خبر کوڑے کی
ہیں لئے جاتے عناں ہاتھ میں دم گھوڑے کی

حضرت قاسمؑ کی رجز خوانی

جرأت فارسِ میداں کو سمجھتے نہیں ہم — حملۂ شیرِ نیستاں کو سمجھتے نہیں ہم
ارجن و رستم دستاں کو سمجھتے نہیں ہم — بہمن و زال و نریماں کو سمجھتے نہیں ہم

دیو بھی آئے اسے کودکِ ناداں سمجھیں
عرصۂ رزم کو بازیچۂ طفلاں سمجھیں

تیغ چمکائیں جو ہم فوج کا خرمن جل جائے — برق پر برق گری قلعۂ آہن جل جائے
زرہ گلجائے تو فولاد کا جوشن جل جائے — خاک ہو جائے سپر کوہ کا دامن جل جائے

خوف بجلی کو بھی جلنے کا ہو وہ آگ لگائیں
کاہ سے کوہ تلک خاک کے تودے بنجائیں

ازرق نامی ایک مشہور پہلوان نے کہا کہ اس لڑکے سے مجھے مقابلہ کرنے میں شرم آتی ہے۔ میں اپنے چار لڑکوں کو اسکے مقابلہ میں بھیجتا ہوں۔ عمر سعد نے بھی یہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ ازرق کا ایک نوجوان لڑکا حضرت قاسمؑ کے مقابلہ میں آیا۔

حصنِ آہن میں تھا ڈوبا ہوا یوں بانیٔ شر — کہ بجز مردمکِ چشم نہ آتا تھا نظر
تھی سناں ہاتھ میں اور تیغِ ستم زیبِ کمر — دوش پر کوہ کے دامن جو چھپائے وہ سپر

مشتعل آگ تھی غصہ کی تنِ بدخو میں
خون اترا ہوا آنکھوں میں شکن ابرو میں

آتے ہی دشت میں چنگھاڑ کے بولا وہ لعیں — پسرِ ازرقِ شامی ہوں کوئی اور نہیں
مری جرأت سے ہیں آگاہ دلیرانِ زمیں — کھینچ لوں تیغ تو محشر ابھی برپا ہو یہیں

خوف سے مرقدِ رستم تہ و بالا ہو جائے
تھرتھری لاشۂ بہرام میں پیدا ہو جائے

حضرت قاسمؑ جواب میں فرماتے ہیں

بس تعلی کی نہ لے زعم کی باتیں نہ سُنا
میں سرِ معرکہ رکھتا نہیں یہ امر روا
ہاں جو ہو حوصلۂ رزم تو آ سامنے آ
ہاتھ میں تیغ و سپر لے ہنرِ جنگ دکھا
چشم انصاف سے اک ایک کی جرأت دیکھے
زور دیکھوں ترا میں تو مری طاقت دیکھے

مقابلہ شروع ہوتا ہے -

لاکھ ہتھیار چلاتا رہا وہ زشت سیر
کارگر ایک بھی حربہ نہ ہوا غازی پر
طیش میں آگیا جھلا کے اٹھایا خنجر
اسطرف آگ اگلنے لگی شمشیر دو سر
وار خنجر سے بھی سر بر نہ وہ سفاک ہوا
برق سی تیغ چلی جل کے لعین خاک ہوا

ازرق کا پہلا لڑکا حضرتِ قاسمؑ کی تلوار سے جب نذر اجل ہو جاتا ہے تو دوسرا لڑکا مقابلہ میں جس شان سے آتا ہے مرثیہ نگار نے اس کی تصویر کھینچنے میں کمال مبالغہ کیساتھ بیجد طوالت اختیار کی ہے - ایک بند ملاحظہ ہو ا

شکل عفریت ہوئے دشت جھپٹ کر آیا
غیظ میں مرکب کجرو کو رپٹ کر آیا
اور یہ کہتا ہوا نزدیک ڈپٹ کر آیا
میں نے مارا جسے پھر وہ نہ پلٹ کر آیا

صف کی صف صاف کروں دم میں وہ سفاک ہوں میں

شیر سے بھی نہ کروں خوف وہ بیباک ہوں میں

جب سُنا صفدر غازی نے کلام گمراہ بولے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

تو ہی کیا مال شجاعت ہی تری کیا روباہ کب سمجھتے ہیں شغالوں کو ہنر برجنگاہ

تجھ سے روباہ کو پنجوں میں دبا کر ماریں

صید جب ہاتھ لگے اسکو کھلا کر ماریں

پیچ کھاتا رہا اسبات پہ وہ کند زباں چھیڑ کر رخش بڑھا ہم صفت پیل دماں

جبکہ غازی کے قریب آگیا وہ دشمن جاں اسنے تلوار چلائی تو بہادر نے سناں

کارگر وار ہوا اسکا نہ تلوار ہوئی

حلق سے نحس کے انگشت سناں پار ہوئی

جان دینے پہ بھی اسکو نہ ہوا چھٹکارا رخش سے کھینچ کے غازی نے اسے دے مارا

خاک میداں کی اڑی ہل گیا مقتل سارا عضو ہر ایک ہوا نحس کا پارا پارا

صدمہ کیا کیا نہ تن اہل ستم کو پہنچا

ایسا الجھا کہ سلامت نہ عدم کو پہنچا

خاک میں مل گئی کٹ کٹ کے جو دوبانی شر کانپ اٹھے ڈر سے شجاعان سرافگن کے جگر

تیسرا نحس چلا ہاتھ میں لے کر خنجر سامنے صفدر جرار کے ٹھہرا آکر

اپنا ہنگام رجز اسنے جبھی نام لیا

جھک کے غازی نے کمر بند لعیں تھام لیا

اسکے بعد مرثیہ نگار نے دکھایا ہے کہ حضرت قاسمؑ نے اسی حالت

میں حریف کو تا دیر فنونِ جنگ دکھائے اور جب ہر طرح پست کر چکے تو۔

موئے سر تھام کے جھٹکے دئے بیجان کیا
چرخ دیکر اسی ازرق کیطرف پھینکدیا
منہ کے بل خاک پہ اس سمت گرا زشت شعار   خیمۂ شہ سے یہ تحسین کا ہوا غل اک بار
کیوں نہ ہو واہ بہادر تری جرأت کے نثار   کیا گھما کر اسے پھینکا سوئے فوجِ غدار
بات کی بات میں کی اسکی صفائی تو نے
قوتِ دستِ یداللہ دکھائی تو نے

اسکے بعد ازرق شامی کا چوتھا لڑکا میدانِ جنگ میں آتا ہے۔

بڑھکے جھڑ کا اسے جرار نے بس او مردک   یہ جو دعویٰ ہے تو آ سامنے بیہودہ نہ بک
دیکھ لیتے ہیں ٹھہر نحس یہ غرا کب تک   تو ہے کیا معرکہ میں آئے اگر ترکِ فلک
بچکے جانے نہ کبھی دیں نہ افلاک اسکو
مار کر ڈال دیں دم بھر میں سرِ خاک اسکو
تھے یہ مشغولِ رجز اسنے چلائی تلوار   شرم سے کٹ گیا بدکیش جو خالی گیا وار
تول کر تیغ یہ کہتا ہوا جھپٹا جرار   لے سنبھل ہوش میں آ روک تو اسکو غدار
دیکھ سر چڑھکے یہ کیونکر تجھے کھا جاتی ہے
یہ وہ بجلی ہے کہ لوہے کو چبا جاتی ہے
کہکے یہ وار کیا طرف سپر کاٹ دیا   خودِ خودسر کیا دو کاسۂ سر کاٹ دیا
دلکے ٹکڑے کئے پہلو میں جگر کاٹ دیا   کر دیا دوش قلم صدر و کمر کاٹ دیا

قصہ خالی نہ بد اندیش ہی کا پاک کیا
اسکو چورنگ کیا جسم فرس چاک کیا

حرص زرمیں جو ہوئی دولت جاں سب کی تلف
مضطرب چھیڑ کے رہوار کو شمشیر بکف

پھاڑ کر ازرق شامی سپہ شوم کی صف
بڑھ چلا فوج سی شہزادۂ قاسم کی طرف

بگڑے تیور تھے حرارت تھی تن بد خو میں
سرخ آنکھیں تھیں بنی غیظ سے بل ابرو میں

خود تھا گنبد فولاد سی بھاری سر پر
جوشن ایسا تھا کہ تھے دیکھنے والے ششدر

زرہ پر زرہ تھا پہنے ہوئی وہ بانی شر
باندھی تھا آہنی زنجیر سے مضبوط کمر

بنگیا تھا ہمہ تن تیرہ دروں لوہے کا
نظر آتا تھا سراپا وہ ستوں لوہے کا

اسپہ غرّا تھا اسی ازرق شامی ہوں میں
عمر و شمر سے ذیقدر و گرامی ہوں میں

ہفت کشور میں ہوں مشہور وہ نامی ہوں میں
حاکم شام کا ہر حال میں حامی ہوں میں

ہوں قوی تر ہنر جنگ کا میں بانی ہوں
جسکا ثانی نہیں عالم میں وہ لاثانی ہوں

مری تلوار یہ بجلی ہے چمک جانے میں
شکل اژدر ہی جوانوں کے جگر کھانے میں

برق وش آگ ہی یہ آگ کی برسانے میں
ملک الموت ہی پیغام قضا لانے میں

سخت خونخوار ہی یہ صورت آفات ہی یہ
اپنے دشمن کے لئے مرگ مفاجات ہی یہ

ازرق حضرت قاسمؑ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے :-

ہم ہیں ازرق ہمیں تم اڑ نہ سمجھو قاسمؑ
ہم نہیں آئی قضا آئی سمجھ لو قاسمؑ
رحم آتا ہے تمہیں دیکھ کے ہم کو قاسمؑ
سپر و تیغ مناسب ہے کہ رکھ دو قاسمؑ
جاؤ گھر جاؤ کہ تم لائق پیکار نہیں
ہم جو لڑکوں سی لڑیں ہمکو سزاوار نہیں

کہ رہا تھا جو یہ سفاک بصد جوش و خروش
سنکے جھڑکا اسے غازی نے کہ بس نحس خموش
طفل ہمکو جو سمجھتا ہے کدہر ہیں ترے ہوش
او لعیں سامنے خالی نہ دکھا یہ تن و توش
زور ہاتھوں کا ہمارے بخدا لڑ کے دیکھ
ہم جو لڑکے ہیں تو لڑکوں سی ذرا لڑ کے دیکھ

کھینچ لی بات پہ ضیغم کی لعیں نے تلوار
صورت سیل رواں جھوم کے آیا یک بار
تیز دستی سے کیا بازوئے جرار پہ وار
اسطرف شیر نے پھرتی سے پھرا کر رہوار
تیغ خونخوار پہ تلوار جو ماری ڈٹ کے
پیپلا ٹوٹ گیا تیغ ہوئی دو کٹ کے

پھر تو کچھ بن نہ پڑی دہشت جاں سے لاچار
تھم کے کچھ دیر بڑھا گرز اٹھا کر خونخوار
لا کے کاوے میں فرس سر پہ کیا شیر کے وار
چل گئی تیغ دلاور کی ادہر صاعقہ وار
سر قلم ہو گیا شق سینۂ سفاک ہوا
ہاتھ کہنی سے اڑا گرز گراں چاک ہوا

جب وہ بیدست ہوا تول کے شمشیر دوسر
غیظ سے قاسم جرار نے مارا جھک کر
یک بیک تیغ شرربار جو چمکی سر پر
رخ پہ لی جلد جھجک کر ستم آرا نے سپر

نہ ملی امن چھپا زیر سپر گو ظالم
ہاتھ اٹھا رہ گیا نا عمد رہوا دو ظالم

جب ازرق قتل ہو چکا تو حضرت قاسم کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور آپ تلوار لے کر اشرار پر ٹوٹ پڑے۔

تلوار کی تعریف

گھٹ گیا تن میں لہو بڑھکے جبھی تاک گئی ‏ صف ہوئی صاف جدھر صورت سفاک گئی
قہر حق سی نہ بچا جس پہ غضب ناک گئی ‏ تہلکہ پڑ گیا جس سمت وہ بیباک گئی
سینکڑوں کٹ گئی جی داروں کی جی چھوٹ گئی
پاؤں اکھڑی جو پیادوں کے پری ٹوٹ گئی

اسطرف سی جو ادہر مار کے دو چار گئی ‏ عجب انداز عجب ڈھنگ سی خونخوار گئی
غیظ میں جسپہ گئی شکل دل آزار گئی ‏ جو پڑا سامنے خالی نہ اُسے مار گئی
سر قلم کر دیا شق سینۂ سفاک کیا
دل کے ٹکڑے کئے پہلوئی جگر چاک کیا

بڑھکے چار آئینہ والوں کا بُرا حال کیا ‏ چُور انکو ہمہ تن آئینہ تمثال کیا
غرقِ خوں ہو کے کبھی اپنا بدن لال کیا ‏ خاک میں اسکو ملایا اُسے پامال کیا
غل تھا کس حسن سی یہ شعلہ فگن پھرتی ہی
اوڑھکر سُرخ ردا تازہ دلہن پھرتی ہی

کٹ گئی فوج کے دستی تو رسالے بھاگے ‏ اپنی ہتھیار زرہ پوش سنبھالے بھاگے
زخم دل کھا کے سبھی برچھیوں والے بھاگے ‏ دہشت مرگ سی جان اپنی بچالے بھاگے

گوشۂ امن جو میداں میں نہیں پاتے تھے
ڈر سے جتنے قدر انداز تھے چلاتے تھے

تھے جو لاکھوں سے اور معرکہ آرا ضیغم   یوں پکارا شہِ دیں نے کہ تمہیں میری قسم
دیر سے دھوپ میں اعدا سے لڑے ہو پیہم   روک لو ہاتھ ٹھہر جاؤ ذرا لے لو دم
ہر گھڑی طالبِ امداد خدا سے ہو تم
تھم کے لڑنا کہ کئی روز کے پیاسے ہو تم

سنکے اسبات کو کچھ دیر جو ٹھہرے صفدر   آ گئے پھر کے جو بھاگے ہوئے تھے بانیِ شر
یک بیک چھا گئی گھنگھور گھٹا غازی پر   ابروش جھوم کے برسانے لگی تیر و تبر
پھر تو ہر سمت اندھیرا سا ہوا مقتل میں
غل ہوا غیرتِ خورشید چھپا بادل میں

تازہ زخموں کا کھِلا جب تنِ نازک پہ چمن   گل سا رنگیں نظر آنے لگا ہر عضوِ بدن
تھے جو مائل سوئے گلزارِ شہادت ہمہ تن   مسکراتے ہوئے سرو چمنستانِ حسن
خدمتِ شیرِ خداوندِ جہاں میں پہنچے
نکہتِ گل کی طرح باغِ جناں میں پہنچے

گلشنِ دہر میں ہر سو ہوا فریاد کا غل   دیکھکر خارِ الم چاک ہوا دامنِ گل
خشک کلیاں ہوئیں مرجھا گئے غنچے بالکل   درد انگیز ہوا شور و فغانِ بلبل
سنتے ہی غم کی چھری قلب پہ چل جاتی ہے
صاف، نوحے کی ترانوں سے صدا آتی ہے

مناجات

یارب ترو تازہ ہو گلستانِ معانی　　سرسبز رہے نخلِ خیابانِ معانی
مشتاق ہیں سب مرزشناسانِ معانی　　دکھلا دے بہارِ چمنستانِ معانی
ہر لفظ کے غنچے سی عیاں بوئے سمن ہو
جو بند ہو گلدستۂ گلزارِ سخن ہو

لکھا ہی کہ جب واردِ مقتل ہوئے شبیر　　خالی نہ تھے انصار انیس شہِ دلگیر
اٹھارہ بنی فاطمہ تھے صاحبِ توقیر　　تھا جن میں ہر اک آیۂ تطہیر کی تفسیر
بس حاشیۂ سورۂ رحماں انہیں کہیئے
قرآن تو کیا جوہرِ قرآں انہیں کہیئے

ساتھ اسکے غضب ہے شبِ عاشورہ کی حالت　　کیا ضبطِ قلم ہو کہ قیامت ہی قیامت
سنسان وہ عالم وہ بیابانِ پر آفت　　غربت میں غریب الوطنوں کی تھی مصیبت
رہنے کیلئے گوشۂ راحت نہ کہیں تھا
ریتی پہ بپا خیمۂ شاہنشہِ دیں تھا

اہلِ حرم مضطرب بیقرار تھے۔ بچوں کا شدتِ تشنگی سی یہ عالم تھا کہ:-

بیچین تھی پانی کیلئے صنیق میں جاں تھی
رُخ زرد تھا سونلای تھی لب خشک زباں تھی

چھپنے لگا جب روز نہم نیرِ اعظم　　سب کو نظر آنے لگی نیرنگیِ عالم
ساتھ اپنے لئے بزمِ جہاں میں خبرِ غم　　سرشام سی کھولے ہوئے پہنچی شبِ ماتم
تصویرِ الم سب کو دکھاتی ہوئی آئی

شبنم گہر اشک گراتی ہوئی آئی

محاکات

تھے دوسرے خیمہ میں جو فرزندِ پیمبرؐ بیٹھے ہوئے تھے گرد سبھی مونس و یاور
تھے داہنے بازو کی طرف قاسمؑ و اکبرؑ بائیں تھے مؤدب پسرِ دلبرِ جعفر
خدام پسِ پشتِ امام ازلی تھے
اور سامنے بیٹھے ہوئے عباسؑ علی تھے

حمد

فرماتے تھے یوں قبلۂ دیں ذکرِ الٰہی زیبا ہے اسی ذات کو کونین کی شاہی
اک میں ہی نہیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی سب وحدتِ اللہ کی دیتے ہیں گواہی
ہر چیز میں اسکی ہی فقط جلوہ گری ہے
عیبوں سے مبرا ہے تو شرکت سے بری ہے

عبادت

بندوں کیلئے فرض ہوئی اسکی عبادت کرتا رہے ہر حال میں وہ سجدۂ طاعت
گھر ہو کہ سفر رنج و مصیبت ہو کہ راحت اس ذکر کو بھولے نہ کوئی دم کوئی ساعت
غفلت نہ کرے بندگی جلّ و علےٰ میں
سوتے میں بھی دل محو رہے یادِ خدا میں

حضرت امام حسینؑ ارشادِ ہدایت فرما رہے تھے کہ آثار سحر نمایاں ہوئے۔ آپ حضرت علی اکبرؑ کو اذان دینے کا حکم دیتے ہیں:-

اس حکم سے حضرت کی جو اکبر ہوئے ممتاز دی اٹھکے اذاں پھر تو بصد سوزِ خدا ساز

داؤد کے الحان کا تھا لحن میں انداز
بیخود ہوئے سنکر جسے مرغانِ خوش آواز
اپنی نہ نشیمن کی خبر انکو ذرا تھی
اکدم ہمہ تن محو تھے دلکش وہ صدا تھی

لہجہ تھا عرب کا کہ وہ تھی سحر طرازی
سنکر جسے لشکر کے سکتے لگے تازی
مسند سے جو ناگاہ اٹھے شاہ حجازی
سجادے بچھے اور ہوئے جمع نمازی
بے فکر تھے کچھ بھی نہ غم و رنج و تعب تھا
چہرے پہ عیاں ولولۂ طاعتِ رب تھا

منظرِ صبحِ صحرا

وہ نور کا تڑکا وہ دم طاعتِ یزداں
جلوہ وہ سحر کا اثرِ صبح نمایاں
پھولوں کی لہک وہ کہ مہکتا تھا بیاباں
سبزے کی وہ سبزی وہ بہا گلِ خنداں
یہ سب تھا پر اس رات عجب اوس پڑی تھی
ہر سمت اداسی تھی مصیبت کی گھڑی تھی

مناظرِ فطرت

مشرق سے جو نکلا علمِ خسروِ خاور
خورشید چلا تیغ شعاعی کو اٹھا کر
یاں تیغ و سپر باندھ کے اعدا کے برابر
میداں میں صف آرا ہوا اسلام کا لشکر
تعداد بہت کم تھی بہتّر رفقا تھے
تھوڑے تھے پہ ہمت میں ہزاروں سے سوا تھے

جنگ شروع ہوتی ہے۔ اکثر رفقائے امام شہید ہو جاتے ہیں۔
حضرت قاسمؑ اجازت حرب لے کر میدان میں آتے ہیں۔

گھوڑے کی تعریف

انداز وہ مرکب کا وہ راکب کے اشارے چلنے میں وہ شوخی وہ جھمکڑے وہ طرارے
ہوش آہوئے صحرا کے ہرن ہوگئے سارے صرصر ہوئی رستے سے ہوا شرم کے مارے
بھرتی تھی دم سرد نسیم سحری بھی
حیرت میں تھے عنقا بھی فرشتے بھی پری بھی

مبالغہ

سینہ کو سفینہ جو کہیں طول ہو دفتر لیکن اسے آئینہ سے تشبیہ دیں کیونکر
وہ تختۂ بلّور یہ اللہ کا ہے گھر زیبا ہے اگر عرش کا نام آئے زباں پر
یہ وہ ہے مکاں جسکا مکیں جلّ و علےٰ ہے
کعبہ ہو اگر اسکا مطوّف تو بجا ہے

حضرت قاسمؑ کلماتِ رجز اسطرح زبان پر لاتے ہیں:-
آگاہ ہیں سب فخر شجاعانِ زمن ہوں
شبیرؑ کا پیارا جگر و جانِ حسن ہوں

عمر و سعد کی فوج میں ازرق ایک زبردست پہلوان تھا' عمرو سعد نے اسکو حضرت قاسمؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے اشارہ کیا' ازرق غرور ونخوت کا پتلا ہے' ایک نوجوان کے مقابل ہونے سے انکار کرتا ہے۔ لیکن اپنے چاروں لڑکوں کی طرف دیکھ کر اجازتِ جنگ دیتا ہے۔

تھا ذکر ادھر یہ کہ صفِ فوج سے ناگاہ چاروں سے بس اک نحس چلا جانبِ جنگاہ
قامت میں نہ تھا دیو زبردست سے کوتاہ صورت وہ مہیب اسکی کہ العظمۃُ للہ

ڈالے ہوئے ابرو میں شکن جیں بہ جبیں تھا
غصہ میں چباتا ہوا ہونٹوں کو لعیں تھا

سُنکر یہ سخن نحس پہ غصّت ہوا طاری غازی کی طرف ٹوٹ پڑا غیظ میں ناری
تھے منتظر اسکے جو ادھر خامۂ باری دی ضرب وہ بیڈھب کہ ستمگر ہوا عاری
تلوار کے چلتے ہی گئی ساتھ ظفر بھی
قبضہ بھی کٹا سر بھی کٹا طرف سپر بھی

یکے بعد دیگرے ازرق کے دو لڑکے قتل ہوگئے، تیسرے سے معرکہ آرائی کا نتیجہ اسطرح ہوا :-

تعریف شمشیر

بجلی کی طرح کوندگئی طرف سپر پر چمکی جو وہاں سے تو گری کاسۂ سر پر
سر لیکے جو سرکی تو گئی قلب و جگر پر ٹکڑے ہوئے دونوں کے تو ٹھہری نہ کمر پر
پہنچی سرِ زیں تنگِ فرس کاٹ کے نکلی
پیاسی تھی وہ ناگن کہ لہو چاٹ کے نکلی

اسطرح جو آخر ہوا تینوں کا زمانہ چوتھا ہوا لشکر سے پئے جنگ روانہ
گھوڑے کو اڑائے جو چلا مضطربانہ آتے ہی ہوا تیرِ قضا کا وُہ نشانہ
شوخی پہ تھا رہوار گرا فرشِ زمیں پر
پلٹا جو فرس ٹاپ پڑی پشتِ لعیں پر

ازرق خود مقابلہ کے لئے آیا۔ لیکن وہ بھی قتل ہُوا۔ حضرت قاسمؑ پوری فوج سے معرکہ آرا ہوتے ہیں۔

تلوار کی تعریف

تلوار تھی یا آتشِ سوزاں تھی شرر تھی شعلہ تھی وہ صاعقۂ فتح و ظفر تھی
جب وار چلا پھر تو ادھر تھی نہ ادھر تھی گہ زیرِ سپر گاہ میانِ تن و سر تھی
پہنچی کبھی سینہ میں کبھی صدرِ لعیں پر
تھی خانہ بر انداز کبھی خانۂ زیں پر

جس سر کی طرف کوند گئی پاؤں پہ سر تھا سینہ کی طرف آئی تو ثابت نہ جگر تھا
پہنچی جو سرِ ناف تو وا بندِ کمر تھا جب واں سے کھنچی نصف ادھر نصف ادھر تھا
مرکب میں در آئی تو یہ حالت نظر آئی
دو ہو کے گرا خاک پہ وہ یہ ادھر آئی

غم انگیز

کچھ دیر جو اسطرح سے لڑتا رہا صفدر لب خشک ہوئے پیاس سے دل ہو گیا مضطر
یوں دیکھ کے احوال پھرے سینکڑوں خود سر تھا جنمیں کوئی تیر لئے اور کوئی خنجر
نرغہ میں لیا آ گے شجاعت کے دھنی کو
زخموں سے کیا چور نہالِ حسنی کو

حضرتِ تشفی

واقعہ نگاری

اصحاب کے الم میں تھے سلطانِ حق پسند اور دل سے نعرۂ آہ کے ہر لحظہ تھے بلند
یوں اپنے خوں میں ڈوبے پڑے تھے وہ ارجمند قربانی روزِ عید ہوں جس طرح گوسفند
وہ گل خزاں ہوئے تھے جو مطبوعِ باغ تھے
تھا اک دلِ منیر بہتّر کے داغ تھے

دیکھا جو سوئے گنجِ شہیداں بچشمِ تر صد پارہ سب کے لاشے پڑے تھے ادھر ادھر
گر دوسری طرف کو وہ فرماتے تھے نظر اہلِ حرم تھے خیمے میں بیتاب نوحہ گر
ماتم تھا اور مصیبتیں ہر دم دوچند تھیں
فاقوں میں العطش کی صدائیں بلند تھیں

حضرت قاسمؑ حضرت امام کی خدمت میں میدانِ وغا کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے ہیں، حضرتِ امامؑ جوشِ محبت سے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ اسکے بعد

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت چمٹ گئے
قاسمؑ بھی سینۂ شہِ دیں سے لپٹ گئے

ہر چند حضرت قاسمؑ اصرار کرتے تھے لیکن جناب امامؑ کسی طرح اذنِ وغا دینے پر رضامند نہیں ہوتے تھے۔ آخر کار اپنی والدۂ محترمہ کی خدمت

میں حاضر ہو کر کہتے ہیں :-

باقی جو کچھ رہے ہیں وہ سب مرنے جاتے ہیں
اک ہم وہ ہیں رضا نہیں مرنے کی پاتے ہیں

پھر یہ خیال آتا ہے کہ والدہ نے ہمارے لئے سفارش نہیں کی۔ دل سے کہتے ہیں کہ :-

جذبۂ ایثار

ہیں سرخرو وہ جنکے یہاں خون بہتے ہیں ۔۔۔ اور اپنی آبرو گئی صدمے یہ سہتے ہیں
جانے نہ دینگے ہم یہ چچا جان کہتے ہیں ۔۔۔ محروم اس سعادتِ عظمیٰ سے رہتے ہیں
مردوں کے حق میں اس سے زیادہ شرف نہیں
افسوس والدہ بھی ہماری طرف نہیں

حضرت امام حسینؑ حضرت امام حسنؑ کی وصیت کا خیال کر کے اپنی صاحبزادی حضرت کبریٰ کا عقد جناب قاسمؑ سے کر دینا چاہتے ہیں۔ حضرت قاسمؑ دولہا بنائے جاتے ہیں۔ اسوقت سب لوگ اس طرح دعا دیتے ہیں ؎

اب داغ تو کسی کا نہ رن میں ہمیں حسینؑ
ان دونوں کے سروں پہ سلامت رہیں حسینؑ

اس کے بعد عقد ہو جاتا ہے۔ حضرت قاسمؑ حجلۂ عروسی میں ہیں۔ مرثیہ نگار نے کیا خوب کہا ہے "حضرت کو کچھ خوشی ہوئی اور کچھ تعب ہوا" بعد عقد حضرت قاسمؑ کی تصویر اسطرح کھینچی ہے کہ :-

محاکات

گہ جانبِ عروس بحسرت رہی نگاہ
دل میں کبھی کہا کہ چلیں سوئے رزمگاہ
گہ تھا یہ رنج ماں کا بہت حال ہی تباہ
گہ تھا چچا کے رنج سے پُرغم وہ رشکِ ماہ

ناگاہ اضطراب میں عمو کے دھیان میں
ہَل مِن مُبارزِ کی صدا آئی کان میں

دولہا نے ہاتھ چھوڑا دلہن کا باشکِ و آہ
اور چاہا جاؤں جانبِ میداں بحکم شاہ
گو حال تھا عروس کا بھی رنج سے تباہ
شرم و حیا سے کہہ نہ سکی کچھ وہ رشکِ ماہ

اک موجِ اشک دیدۂ کبریٰ سے بہ گئی
دامن پکڑ کے ہاتھ سے قاسمؑ کا رہ گئی

اس نازک وقت میں حضرت قاسمؑ جس ضبط و صبر کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس سے اُن کی اخلاقی جرأت و ہمّت کا ایک دائمی نقش پڑھنے والے کے دل پر رہ جاتا ہے۔ حضرت قاسمؑ اپنی دلہن کو اس طرح سمجھاتے ہیں ؎

چھوڑوں چچا کا ساتھ مناسب ہے مجھے
سو جان سے نثار ہوں واجب یہ ہے مجھے

حضرت قاسمؑ جناب امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اذنِ وَغا طلب کرتے ہیں۔ حضرت امامؑ مجبوراً یہ کہہ کر

"تم آگے جاؤ بعد تمہارے ہم آتے ہیں"

اجازت دیتے ہیں۔ حضرت قاسمؑ میدانِ کارزار میں پہنچکر رجز خوانی

کرتے ہیں۔ اسکے بعد جنگ شروع ہوتی ہے۔ ایک جگہ آپ کی معرکہ آرائی کا ذکر کرتے ہوئے مرثیہ نگار کہتا ہے:۔

مضبوط کرکے دل کو جو دو تین پل چلے ۔۔۔ باغِ جہاں میں تیغ کا کھانے کو پھل چلے
پہنچے سزا کو جلد جو واں بے محل چلے ۔۔۔ کٹتے ہی پاؤں سوئے سقر سر کے بل چلے
جمنے دیا قدم نہ کسی کا مصاف میں
جلوہ فقط تھا تیغ کا میدانِ صاف میں

اثناء جنگ ایک جگہ عمر ابن سعد سے سامنا ہو جاتا ہے حضرت قاسمؑ کس درجہ پُر تاثیر اندازِ بیان اختیار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

اسپ و شتر تلک ترے سیراب ہوتے ہیں
پیاسے رسولِ پاک کے اطفال روتے ہیں

پھر فرماتے ہیں:۔

پُر درد بیان

عقبےٰ کا اپنے کچھ نہیں تجھکو خیال ہے ۔۔۔ خورشید اوجِ دیں کا گوارا زوال ہے
افسوس پیاسا ساقیِ کوثر کا لال ہے ۔۔۔ وہ صدمے ہو رہے ہیں کہ جینا محال ہے
جینے سے سیر خاصۂ ربِّ ودود ہے
چہرہ ہے زرد اور لبِ لعلیں کبود ہے

غم انگیز

یہ دھوپ یہ خیام کا تپنا یہ انتشار ۔۔۔ گرمی میں العطش کی ہے چاروں طرف پکار
گر ہیں تمہارے زعم میں ہم سب گناہگار ۔۔۔ معصوم بے زباں پہ ہے کیوں ظلم بیشمار

بندوں کو خوف چاہیئے پروردگار کا
یہ تو کہو قصور ہے کیا شیر خوار کا

حضرت قاسمؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے مشہور پہلوان ازرق کے چار فرزند یکے بعد دیگرے آئے اور قتل ہوئے۔ ازرق خود مقابلہ کرتا ہے اور مارا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت قاسمؑ جناب امام کی خدمت میں حاضر ہو کر شدّتِ تشنگی کا ذکر کرتے ہیں۔ مرثیہ نگار لکھتا ہے:۔

گوہر سے بڑھکے پانی کا قطرہ نظر میں تھا
کیا قحط آب ساقئِ کوثر کے گھر میں تھا

حضرت امامؑ تسکین دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ حرم میں بھی ہو آؤ۔ مرثیہ نگار حضرت امامؑ کے ارشاد کو اسطرح ادا کرتا ہے ؎

مہلت برائے حرف و حکایات ہو نہ ہو
کیا جانے بعد اسکے ملاقات ہو نہ ہو

حضرت قاسمؑ عورتوں سے رخصت ہو کر دوبارہ میدانِ معرکہ میں جاکر شہید ہو جاتے ہیں ؞

حضرت قاسمؑ کی صفت و ثنا کے بعد مرثیہ نگار اُس ہول آفرین سمے کا تصور کرتا ہے۔ جب ان کا لاشہ بھی خاک و خون میں غلطاں نظر آئیگا۔

مومنو جسکے یہ اوصاف سُنے تم نے آہ ۔۔۔ ہے چراغِ سحری خیمے میں وہ غیرتِ ماہ
مادرِ خستہ جگر کہتی تھی گھر ہوگا تباہ ۔۔۔ دل سے آوازیہ آئی تھی کہ انّا للّٰہ

ہائے قاسمؑ یہ عجب رنج و محن کا دن تھا
کیا سن و سال تھا کل تیرہ برس کا سن تھا

واقعہ نگاری

اسقدر حسن میں فرزندِ حسنؑ یکتا تھا دشمنوں نے بھی جو دیکھا تو کہا صلِّ علیٰ
رحمدل صاحبِ اولاد جو تھے اہلِ جفا ترس آیا انہیں پیاسے پہ یہ آپس میں کہا
کس طرح لڑنے کو ماں باپ نے بھجوایا ہے
ہائے افسوس یہ مرنے کے لئے آیا ہے
ایسی بھی صورتیں دُنیا میں ہیں سبحان اللہ اسکو کیا قتل کریں خالقِ اکبر کی پناہ
ابھی کیا سن ہے جو ہتھیار کریں اس سے آہ کہدو میداں سے چلا جائے سوئے خیمۂ شاہ
ماں کو آگاہ کرو خیمے میں لے جاؤ اسے
کیوں یہ مرنے کو یہاں آیا ہے سمجھاؤ اسے
ایک کہنے لگا یہ غم ہے سراسر مجھ کو اس سے لڑنے کو نہ بھیج کہیں افسر مجھ کو
خود بخود رحم چلا آتا ہے اس پر مجھ کو بھیجا شبیرؑ نے اسکو نہیں باور مجھ کو
شدّتِ تشنہ لبی سے جو یہ گھبرایا ہے
بے رضا پانی طلب کرنے چلا آیا ہے

اس طرف یہ گفتگو تھی، دوسری طرف عمر ابن سعد نے ازرق پہلوان کو جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اُسنے حضرت قاسمؑ کی کم سنی کی وجہ سے لڑنے سے انکار کر دیا۔ لیکن پے در پے اپنے چار بیٹوں کو مقابلہ کے لئے بھیجتا ہے۔ چاروں کے قتل ہو جانے پر ازرق خود مقابلہ کرتا ہے۔ باہم ردّ و بدل

کے بعد تیر و شمشیر کے وار ہوتے ہیں۔ ایک موقع پر حضرت قاسمؑ کہتے ہیں کہ دیکھ تو تیرے گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہو گیا ہے۔

واقعہ نگاری

جبکہ قاسمؑ کے مقابل ہوا ازرق آکر کہا شبیرؑ نے تب سامنے سے چلّا کر
بیٹا ہشیار ہو لڑنا نہ کہیں گھبرا کر کیا ابھی سن ہے وہ غالب ہو غافل پاکر
کیجیو غم نہ کوئی عیش و فرح سے لڑنا
پوتے حیدرؑ کے ہو حیدر کیطرح سے لڑنا

معرکہ آرائی

سارا ابلیس پنا بھولا وہ مقہور خدا پردہ غفلت کا پڑا ہو گیا بالکل اندھا
جتنا مغرور وہ تھا اتنا ہوا سر نیچا جانب تنگ ستمگار نے جھک کر دیکھا
تیغ قاسمؑ نے وہیں بڑھ کے لگائی اسپر
موت سے پہلے ہی برقِ غضب آئی اسپر

ازرق کو مار کر عام جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ آپ کی تیغ آزمائی سے فوجِ شام کا یہ حال تھا کہ:۔

سخت حیران و پریشان جو ہر اک ظلم تھا ہاتھ سے تیغ گری پڑتی تھی یہ عالم تھا
زندہ بھی برق کی دہشت کے سبب نیم تھا تیغ کا دیکھ کے خم پشت کی جانب خم تھا
لیکے شمشیر کو جس جس پہ وہ پھر پڑتا تھا
تیغ پڑنے بھی نہ پاتی تھی کہ گر پڑتا تھا

عمر ابن سعد تیر افگنی کا حکم دیتا ہے۔

محاکاتِ رزمیہ

منکے یہ پلّے پہ استادہ کماندار ہوئے　　کئی سو تیر چلے جاں کے خریدار ہوئے
کچھ تو خالی گئے اور سینے سے کچھ پار ہوئے　　تیروں سے بس نہ چلا جنگ سے بیکار ہوئے

جوں جوں یہ بڑھتے تھے بے پیر ہٹے جاتے تھے
تیر پر تیر بصد قہر چلے آتے تھے

حضرت قاسمؑ زخموں سے چور ہیں ناگاہ نیزوں کے بھی وار پڑنے لگے ۔ بالآخر آپ فرشِ خاک پر گر جاتے ہیں ۔ حضرت امامؑ و حضرت عباسؑ علیؑ وغیرہ مدد کے لئے بڑھتے ہیں ۔ لیکن وہاں تک پہنچ نہیں پاتے ۔ مرثیہ نگار نے واقعۂ شہادت کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے ؎

جانبِ گلشنِ فردوس سفر کر گئے ہائے
لوٹتے لوٹتے گھوڑوں کے تلے مر گئے ہائے

بمشکل جناب امام حسینؑ حضرت قاسمؑ کی لاش خیمہ میں لاتے ہیں ۔ عورتوں میں کہرام بپا ہے ۔ مادر حضرت قاسمؑ انتہائے غم میں بھی اسطرح لاشۂ فرزند سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں :-

واری میداں کی طرف جاتے ہیں شاہِ ابرار　　کہیں ایسا نہ ہو چل جائے چچا سے ہتھیار
میں سجا دیتی ہوں منگواؤ تم اپنا رہوار　　جاؤ عمو کی مدد کرنے کو اماں ہو نثار

تیغ سے دشمنوں کو جا کے نہیں ٹوکتے ہو
واری مرنے سے چچا کو نہیں تم روکتے ہو

اویسؔ بلگرامی

لطافتِ بیان

غالبؔ نے کیا وصف جو نوشاہ کا تحریر
ہر بیت بنی سلکِ گہرِ عرش کی زنجیر
مثلِ گلِ تر دل ہے شگفتہ دمِ تحریر
صد شکر کہ اب پھولا پھلا گلشنِ تقدیر

پیری میں نکالے گلِ مضموں جو دہن سے
سب بول اُٹھے پھول جھڑے شاخِ کہن سے

بقول مرثیہ نگار جناب امام حسنؑ علیہ السلام کی وصیت کا لحاظ کرکے جناب امام حسینؑ حضرت قاسمؑ کا عقد اپنی صاحبزادی جناب کبریٰ کے ساتھ کرتے ہیں۔ بعد عقد حضرت قاسمؑ دلہن سے رخصت ہو کر حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس طرح عرض کرتے ہیں :۔

محاکات

کی عرض یہ قاسمؑ نے کہ اے سیّد ابرار
دو رَن کی رضا مجکو پئے حیدرِ کرّار
پائی جو اجازت ہوا مسرور وہ جرّار
تسلیم بجا لاکے بڑھا جانبِ رہوار

حسرت سے سوئے سیّد ابرار نظر کی
غصّے سے سوئے فوجِ بد اطوار نظر کی

حضرت قاسمؑ میدانِ کارزار میں پہنچتے ہیں۔ جنگ شروع ہوتی

ہے ۔ گھوڑے کی تعریف میں شاعرانہ مبالغہ ملاحظہ ہو

سرعت میں فلک کی بھی روانی سے بڑھکر — کیا تاب نسیم سحری اس سے ہو ہمسر
خوش رنگ و فلک سیر و قدم باز سراسر — آئے نہ نظر نقش قدم اُسکا زمیں پر
راکب نے سواری میں نہ اسکو کبھی مسکا
کافی اسے کوڑا تھا فقط تارِ نفس کا

ہر وقت کنوتیں[1] وہ بدلتا وُہ ابھرنا — اُڑنا وہ غضب کا وہ قیامت کا اچھلنا
اعدا کے گل زیست وہ نعلوں سے کترنا — میداں کی ہوا پاکے طراروں[2] کا وہ بھرنا
گھوڑے کی بندہی تھی یہ ہوا لشکرِ شر میں
بجلی سا چمک جاتا تھا اعدا کی نظر میں

تلوار کی تعریف

آندہی کی طرح سوئے عدو جاتا تھا ہر وار — بجلی کی طرح کوندتی تھی تیغ شرر بار
ہر دشمن ایماں کے گلے کا وہ بنی ہار — جیت انکی ہوئی دشمنِ بد کیش گئے ہار
بجلی کی طرح جاتی تھی وہ فوجِ ستم میں
ہر خرمنِ ہستی کو جلا دیتی تھی دم میں

نقشۂ جنگ

وہ کھیت پڑا دشت ہوا خون کا تھالہ — لشکر دہنِ موت کا تھا ایک نوالہ

---

[1] کنوتیں بدلنا یعنی کان کھڑے کرنا ۔ [2] تیز رفتاری جس میں اڑنے یا اچھلنے کی شان پائی جاتی ہو ٭

بچھ بچھ گئے پیدل ہوا پامال رسالہ — کہنے کو تو ناگن تھی پہ تھا منہ میں نہ چھالا
دم وہ تھا کہ اژدر بھی دبک جاتے تھے اس سے
موذی نہ کبھی جاں کی اماں پاتے تھے اس سے

حضرت قاسمؑ کی تیغ آزمائی سے فوجِ شام بدحواس ہے، عمر ابن سعد ازرق نامی پہلوان کو جنگ کا حکم دیتا ہے۔ وہ ایک کم سن سے مقابلہ کرنے کو اپنی توہین سمجھکر اپنے بیٹوں کو روانہ کر دیتا ہے۔ بڑا بیٹا لاف زنی کرتا ہے۔ اس موقع پر مرثیہ نگار نے کیا خوب کہا ہے :-

اندازِ بیان

یہ کہکے گیا خیمے میں اپنے وہ سیہ کار — باندھی کمر جس میں اک چادر زرتار
جب کرسی زریں سے اٹھانے لگا ہتھیار — دی موت نے آواز کہ ہشیار ہو ہشیار
موذی میں ترے دوش کی اسوقت نگیں ہوں
ہرگز نہ مجھے دور سمجھنا میں قریں ہوں

آیا جو فرس خیمے سے باہر نکل آیا — اسوار ہوا گھوڑے پہ نیزے کو ہلایا
تھا سر پہ سیہ بخت کے شیطان کا سایہ — میداں کو بڑھا خوفِ خدا دل میں نہ لایا
ملعون کو دنیا کی ہوس خواہشِ زر تھی
ہمراہ اجل آتی تھی اسکی نہ خبر تھی

پسرِ ازرق مقابلہ میں پہنچکر اسطرح رجز خوانی کرتا ہے :-

۱؎ لیکن یا پہ کے معنوں میں، اب متروک ہے۔

رجز

روم و عجم و شام میں مشہور ہوں جرّار
کیا تاب مرے آگے اٹھائے کوئی ہتھیار
سہراب و نریماں ہو گریزاں دمِ پیکار
میدان میں جس دم ہی چمکتی مری تلوار
گر جاتی ہے بجلی بھی خجالت سے زمیں میں
پاتے نہیں اسوار اماں خانۂ زین میں

قاسمؑ نے کہا خشم سے بس بک نہ زیادہ
شیطاں نے بھلایا ہے تجھے دین کا جادہ
ہاں سامنے آ جنگ کا گر کچھ ہے ارادہ
ڈالے ہے کماں دوش میں کیوں کھینچ کبادہ
اے دشمنِ بدکیش ترا دھیان کدھر ہے
نصرت ہی ادھر ابن ید اللہ جدھر ہے

حیدرؑ کی شجاعت کا دو عالم کو ہے اقرار
اک ضرب میں مرحبؒ سا جری ہو گیا فی النار
ہر جنگ میں حیدرؑ رہے احمدؐ کے مددگار
فاسد یہ ترا زعم شجاعت ہے سیہ کار
میں جوہرِ شمشیرِ شہِ قلعہ شکن ہوں
شاید تجھے معلوم نہیں ابن حسنؑ ہوں

پسرِ ازرق نے غصّہ میں آ کر پے در پے کئی حملے کیے لیکن حضرت قاسم نے ہر وار کو روک دیا۔ اسکے بعد

زورِ بیان

نوشہ نے بھی رہوار کو کاوے پہ لگایا
گہہ تیغِ علم کی کبھی نیزے کو ہلایا
حیدرؑ کی لڑائی کا چلن سارا دکھایا
اور قابضِ ارواح پکارا کہ میں آیا

ؒ ایک زبردست پہلوان کا نام ہے جو حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا ۔

غصے میں انہیں دیکھ کے گھبرا گیا ظالم
ہوش اڑنے لگے خوف سے تھرا گیا ظالم

بالآخر پسر ازرق قتل ہوا ۔ اسکا دوسرا بھائی مقابلہ کے لئے آتا ہے ۔ مگر پہنچتے ہی حضرت قاسمؓ نے اُسے چورنگ کردیا۔ ازرق کے باقی دونوں لڑکے بھی یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور حضرت قاسمؓ کے ہاتھ سے قتل ہو جاتے ہیں ۔ اپنے چاروں لڑکوں کے قتل سے مشتعل ہو کر ازرق خود میدان میں آیا اور دُون کی لینے لگا ۔ حضرت قاسمؓ جواب سخت دیتے ہوئے اسکے مقتول لڑکوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

ڈھنگ اپنی لڑائی کا زمانے سے جُدا ہے

یہ سُنکے غضبناک ہوا وہ ستم ایجاد — اور کہنے لگا غم سے ہیں بیٹوں کے ہوں ناشاد
اک عمر کی یاںؑ میری کمائی ہوئی برباد — فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے فریاد
اسدم مجھے بیٹوں کا الم تم نے دیا ہے
دل جس سے ہو سَو ٹکڑے وہ غم تم نے دیا ہے

اسی سلسلۂ بیان میں کہتا ہے ؎

اب جان کی ہرگز نہ اماں دونگا میں تم کو
رہوار سے نیزے پہ اٹھا لونگا میں تم کو

ؑ یہاں کی جگہ 'یاں' اب متروک ہے ؎

پھر کہتا ہے ؎

ہاں زیست کا مطلق نہیں اب لطف رہا ہے
آگے مرے بیٹوں کا مرے خون بہا ہے

غرضیکہ مقابلہ ہوا اور ازرق کو بھی آپ نے موت کے گھاٹ اُتار دیا - آخر فوجِ شام نے حضرتِ قاسمؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا - شاعر کہتا ہے :-

غم انگیز

ٹکڑے ہے جگر حالِ شہادت لکھوں کیونکر ناگاہ لگا تیرِ اجل سینے پہ آ کر
غش آ گیا سنبھلا نہ گیا پشتِ فرس پر چلّایا یہ گھوڑے سے جُدا ہو کے وہ صفدر
سر میرا قلم کرنے میں اس فوج کو کد ہے
اے ابن یداللہ یہی وقتِ مدد ہے

لاش خیمہ میں آئی تو ماں نے دیکھکر ایک نالہ بلند کیا -

پُر درد بیان

اے میرے گُل اندام مرے گیسوؤں والے اے راحتِ جاں اے مرے دکھ درد کے پالے
بتلاؤ یہ ماں کیسے کلیجے کو سنبھالے اے میرے خدا مجھکو بھی دنیا سے اٹھالے
پردیس میں ایسا تو نہ ہو بیاہ کسی کا
یوں گھر کرے ویران نہ اللہ کسی کا

رنگِ گلِ سخن کو نہ یارب زوال ہو نکلے جو بات مُنہ سے وہ سحرِ حلال ہو
مضمون جواں وہ آئے تو یوسف جمال ہو دے وہ عروسِ فکر کہ جو بے مثال ہو
گلدستہ بھیجنا ہے جو نوشہ کے واسطے
یہ گُل کھلا رہا ہوں میں دولہ کے واسطے

مبالغہ

طبعِ رسا ملی مجھے ذہنِ رسا ملا مضموں ہر ایک رشکِ دُرِ بے بہا ملا
صد شکر بابِ مدح جہاں میں کھلا ملا نوشاہ کی ثنا کا یہ ہم کو صلا ملا
ہر لفظ میں ضیائے تجلیِ طور ہے
نقطہ ہر اک کلیم کی پتلی کا نور ہے

قرطاس کب مزاج ملائے گا ماہ سے برتر ہے ضو میں خسرو زریں کلاہ سے
کہتی ہے خلق تختۂ زر اشتباہ سے ہے سرفراز مدحِ شہِ دیں پناہ سے
کب تختۂ بہشت کو اس سے مثال ہے
تحریر اس پہ صاحبِ جنت کا حال ہے

تشبیہات

کاغذ ضیا میں ید بیضا سے بھی سوا لکھوں جو اسکو تختۂ سیمیں نہیں روا
تشبیہ دی جو چادرِ مہتاب سے تو کیا اور تختۂ بہشت کہا بھی تو کیا کہا
بخشی ازل سے حق نے اُسے زیب و زین ہی
ہاں ثبت اس پہ محضرِ خونِ حسینؑ ہی

شاعر یہاں سے حضرت امام حسینؑ کے مصائب کے سلسلہ میں حضرت

قاسمؑ کے عزمِ وَغا کا ذکر کرتا ہے، حضرت امام قاسمؑ کو رخصت کرتے وقت ان کی والدہ فرماتی ہیں :-

میداں میں شانِ مرتضوی ہُوبہُو رہے
کرنا وہ بات جس میں مری آبرُو رہے

پھر مرتبۂ شہادت بیان کرتے ہوئے اسطرح ترغیب دیتی ہیں -

ہاں جھُوم جھُوم[1] تیغوں کے پھل رن میں کھائیو
شانِ علیؑ و حمزہ و جعفر دکھائیو

خیمہ میں سب کو معلوم ہو گیا کہ حضرت قاسمؑ میدانِ جنگ کو جا رہے ہیں -

یہ سُنکے آئیں زینب مضطر بحالِ زار
لیکر بلائیں بولیں کہ اے میرے گلعذار
اک شب کی بیاہی کو کسے سونپا پھوپھی نثار
شرما کے سر جھکالیا نوشہ نے ایک بار
کی عرض شرم آتی ہے اسکے جواب سے
کون انکا سرپرست ہے بہتر جناب سے

شوقِ شہادت میں مخمور حضرت قاسمؑ رخصت ہو کر اسطرح باہر آتے ہیں :-

خیمے سے جھُومتا ہوا نکلا وہ شیرِ نر
دیکھا کھڑے حسینؑ ہیں تھامے ہوئے جگر
سر رکھدیا ادب سے شہِ دیں کے پاؤں پر
کی عرض حکمِ جنگ دو اے شاہِ بحر و بر

[1] اب یہ زبان نہیں رہی - جھُوم جھُوم کر بولنا چاہیئے ۔

بہرِ بتولؑ روحِ پدر شاد کیجئے
آقا اب اس غلام کو آزاد کیجئے

حضرت امام حسینؑ مجبوراً اذنِ وغا دیتے ہیں۔ حضرت قاسمؑ میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوئے۔

اتمامِ حجّت

پہنچا کے رہوار گئے فوج کے قریب
فرمایا ہے کہاں پسرِ سعد بدنصیب
قصدِ وغا ہے اس سے جو احمدؐ کا ہے حبیب
دعوائے دیں بھی اس پہ یہ کچھ امر ہے عجیب
موذی جواب آکے تو دے میری بات کا
دشمن ہوا ہے کیوں تو شہ کائنات کا

انصاف تیری ذات میں اے بیخبر نہیں
انجام کار پر تجھے مطلق نظر نہیں
ظالم تجھے عذابِ جہنّم کا ڈر نہیں
دنیا کا اعتبار کچھ اے خیرہ سر نہیں
خواہش میں زر کی دین سے بھی ہاتھ دھوتا ہے
کیوں ہاتھ خونِ آلِ نبیؐ میں ڈبوتا ہے

جنگ شروع ہوتی ہے۔

تلوار کی تعریف

فرما کے یہ نیام سے لی تیغِ آبدار
فتنے کی آنکھ بند ہوئی ڈر کے ایکبار
تھا فوجِ شام میں یہ تزلزل یہ انتشار
تھے موقعِ گریز کے جویا ستم شعار

لہ گستاخ ۔ بیہودہ *

اُس تیغ سے پناہ تہِ آسماں نہ تھی
جز نار کے انہیں کہیں جائے اماں نہ تھی

معرکہ آرائی

تھا زور بازوؤں میں جنابِ امیر کا — جسپر لگائی تیغ وہ دو ٹکڑے ہو گیا
لوہا جری کا مان گئی فوج اشقیا — شور الاماں کا رن میں ہوا چار سو بپا
جاتے تھے جسطرف کو پرے ٹوٹ جاتے تھے
ہر وار میں شجاعوں کے جی چھوٹ جاتے تھے

ازرق نامی پہلوان کے چار فرزند حضرت قاسمؑ کے مقابل ہوئے۔ اور مارے گئے۔ اپنے بیٹوں کے بعد ازرق خود جنگ کے لئے صف سے نکلا۔ ادہر حضرتِ عباسؑ حضرتِ قاسمؑ کے پاس آکر کچھ نکاتِ حرب بتا رہے ہیں۔ ازرق سامنے آتا ہے اور حضرت عباسؑ سے کہتا ہے:-

پھر اُسنے دی یہ حضرت عباسؑ کو ندا — امداد کو بھتیجے کی آئے ہیں آپ کیا
غازی نے خشم سے کہا اے بانیِ جفا — کافی ہے تیرے واسطے فرزندِ مجتبیٰ
ابن حسنؑ کو یہ نہ سمجھنا صغیر ہے
برجِ بہادری کا یہ ماہ منیر ہے

حضرت قاسمؑ اور ازرق میں جنگ شروع ہوئی۔ ازرق تیر سپر کرتا ہے۔

جب کر گیا وہ تیرِ جفا کار کا خطا — قاسمؑ نے بڑھکے گھوڑے سے گھوڑا ملا دیا
سینے پہ اسکے نیزۂ خطی کو رکھ دیا — غل پڑ گیا اسد نے لیا صید کو دبا

نوکِ سناں جو پشتِ شقی سے گذر گئی
قاسمؑ یہ بولے اب تری جرأت کدھر گئی
عباسؑ نے ادھر سے صدا دی کہ مرحبا بیٹا یہی ہے جنگ کا انداز میں فدا
جاتا کہاں ہے صید تمہارا یہ ہو چکا پنجے میں پھنس کے شیر کے کوئی بھی ہے چھٹا
نیزے سے کھینچ لو جگرِ نابکار کو
ہرگز رہا نہ کیجیو پکڑے شکار کو

ازرق پیچھے ہٹ جاتا ہے اور سینہ سے برچھی نکل جاتی ہے۔

واقعہ نگاری

نوشاہ کی طرف وہ بڑھا ہو کے خشمگیں پائے فرس کہیں تو لگا اور کہیں نہیں
قاسمؑ نے آ کے غیظ میں الٹی جو آستیں سمجھا شریر دل میں الٹ دینگے یہ زمیں
نیزہ چلا نہ تیغ چلی نے تبر چلا
خود سر کے بل زمیں کی طرف خیرہ سر چلا

شام کے ایک مشہور پہلوان کی حالت حضرت قاسم کے روبرو ملاحظہ ہو۔

ایسا تھا بدحواس نہیں کچھ بھی ہوش تھا گر خود بارِ سر تھا تو سر بارِ دوش تھا
ملعون کے تن میں کچھ نہ جوانی کا جوش تھا آمادہ بہرِ جنگ ادھر سرفروش تھا
دیکھا لعین کو جو غضب کی نگاہ سے
آ کر قضا چمٹ گئی اس روسیاہ سے

واقعہ نگاری

ناگاہ انکی جانبِ خیمہ گئی نگاہ دیکھا کہ مضطرب ہیں کھڑے شاہِ دیں پناہؑ

سایہ نہیں ہے سر پہ بجز سایۂ الٰہ آنکھوں سے جوئے اشک رواں اور لب پہ آہ
دیکھا کھڑا جو دھوپ میں زہرا کے لال کو
بیحد غم و الم ہوا اُس خوشخصال کو

حضرتِ قاسمؑ حضرت عبّاسؑ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ آپ جائیں اور جناب امام علیہ السّلام کو سایہ میں لے جائیں۔ اسکے بعد حضرت قاسمؑ فوجِ شام سے جنگ کرتے ہیں۔

رزمیہ

سیدھا مثال تیر جو پہنچا یہ شیر نر چھپنے لگے کمانوں کے گوشوں میں بے ہنر
تائید کبریا تھی یمین و یسار پر لاکھوں سے لڑ رہا تھا اکیلا وہ خوش سیر
غازی تھا صف شکن تھا شجاع دلیر تھا
شیرِ خدا کے بیشۂ جرأت کا شیر تھا

اِتنے میں صفِ غنیم سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ ایک تیر آپ کی پشت میں پیوست ہو جاتا ہے۔ اِس نازک حالت میں یہ حضرت امام کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

غم انگیز

سُنتے ہی شاہ اُنکی صدا اسطرف چلے عبّاسؑ بھی بہ آہ و بکا اُسطرف چلے
روتے ہوئے امامِ ہُدا اسطرف چلے نوشاہ جسطرف تھا پڑا اُسطرف چلے
آنکھوں میں اشک دل پہ قلق لب پہ آہ تھی
میں کیا لکھوں جو شاہ کی حالت تباہ تھی

حضرت امام عالی مقام جناب قاسمؑ کے پاس پہنچ گئے - مگر بھتیجے کی حالت دیکھ کر آپ پر رقّت طاری ہوگئی -

قاسم نے روتے دیکھا جو شہ کو تو یہ کہا
مرنے کا میرے غم نہ ذرا کھائیے چچا
عاشور کا یہ دن ہے مجھے عید سے سوا
شادی کمال ہے کہ ہوا آپ پہ فدا
شکرِ خدا کہ حقِ غلامی ادا ہُوا
خوشنود مجتبیٰ ہوئے راضی خدا ہُوا

ابنِ حسنؑ کا وقتِ شہادت قریب ہے
پژمردہ دل حبیبِ خدا کا حبیب ہے
کبریٰ کا کوئی دم میں پلٹتا نصیب ہے
یہ سانحہ جہاں میں عجیب و غریب ہے
سہرے کی بھی کلی نہیں کملانے پائی ہے
روتی دلہن ہے دولہا کے جی پر بن آئی ہے
شادی کا گھر جو کل تھا وہ بیت الحزن ہے آج
جوڑا شہانہ دولہا کے تن پر کفن ہے آج
ہوتا خزاں حسینؑ و حسنؑ کا چمن ہے آج
تیار رن میں جانے پہ ابنِ حسنؑ ہے آج
گونگھٹ میں کسطرح نہ دلہن چشم نم کرے
جسکا لُٹے سہاگ وہ کیونکر نہ غم کرے

حضرت قاسمؑ دلہن سے رخصت ہوتے ہوئے کہتے ہیں:-

جذباتِ غم

گھونگھٹ اٹھاؤ بات کرو ہو نہ اشکبار
صحبت یہ آخری ہے نہ اب رؤ زار زار

رخصت کرو خوشی سے ہمیں بہرِ کردگار　　شادی یہی ہے سبطِ پیمبر پہ ہوں نثار
بولی وہ سر جھکا کے تمہیں اختیار ہے
صاحب اجل کا ہمکو بھی اب انتظار ہے
نوشاہ نے یہ سنکے کہا حق کی جو رضا　　جاتا ہوں میں تمہارا نگہبان ہے خدا
اٹھا یہ کہہ کے حضرت شبرؑ کا دلربا　　سیدانیوں میں رخصتِ قاسمؑ کا غل ہوا
راہِ خدائے پاک میں تھا سر دئے ہوئے
خیمے سے نکلا تیغ حمائل کئے ہوئے
امام عالی مقام سے اِذنِ جنگ لے کر

رجز

پہنچا جو رزمگاہ میں دلبندِ مجتبےٰ　　فرمایا شامیوں سے تمہیں ہو جو حوصلہ
آؤ مقابلے پہ مرے دیکھتے ہو کیا　　بیشک لقب ہی جد کا مرے شاہ لافتا
ہمسر نہیں کوئی ہے ہمارا جہان میں
محبوبِ کبریا کے ہیں ہم خاندان میں

واقعہ نگاری

یہ سُنکے فوجِ شام بڑھی بہرِ کارزار　　ابنِ حسنؑ پہ چلنے لگے اہلِ کیں کے وار
ان کے بھی ہاتھ سے ہوئے مقتول بیشمار　　آخر کو زخم کھا کے گرے رن میں ایکبار
آواز دی یہ سبطِ رسولِ حجاز کو
اے عم میں سونپتا ہوں تمہیں بے نیاز کو
سُنکر صدا یہ شاہ گرے فرشِ خاک پر　　چلائے آہ قاسمؑ نوشہ گئے گذر

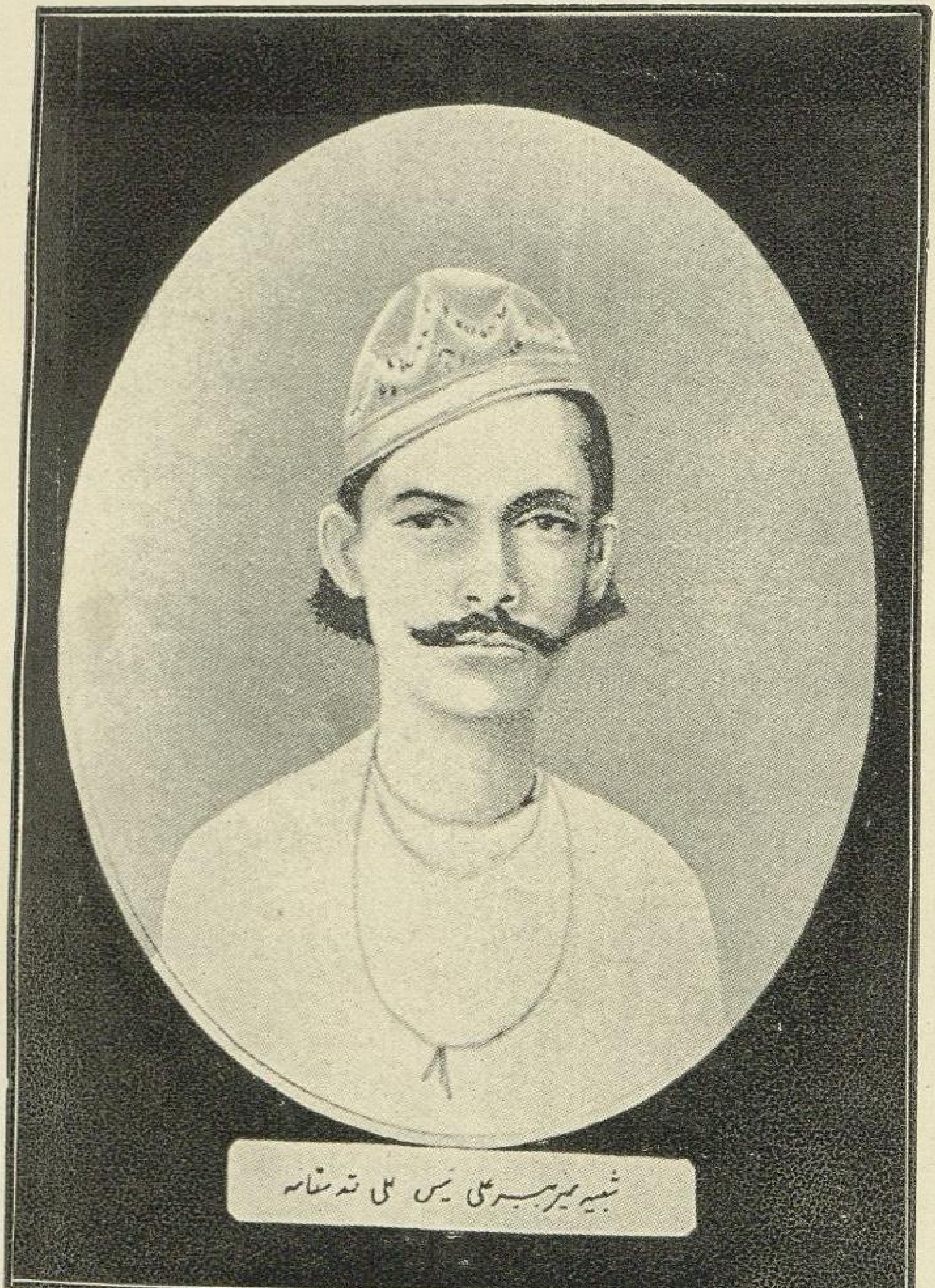
یہ کہکے رن کی سمت چلے شاہ بحر و بر پہنچے جو قتل گہ میں تو کی چار سُو نظر
دیکھا تڑپتے خاک پہ اُس گلعذار کو
صدمہ ہوا کمال شہِ نامدار کو

جناب امام حُسینؑ قاسمؑ کے قریب پہنچتے ہیں۔ حضرت قاسمؑ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ خیمہ میں لے چلیئے۔

یہ سُنکے شہ نے گود میں اسکو اٹھا لیا خیمے کی سمت کو چلے با نالہ و بُکا
ہے ہے غضب یہ رہ میں ہوا ماجرا ہچکی اک آئی موت کی اور دم نکل گیا
آغوش میں بھتیجے کا لاشہ لئے ہُوئے
منہ سوئے خیمہ قبلۂ دیں تھے کئے ہُوئے

لاشۂ حضرت قاسمؑ خیمہ میں لایا جاتا ہے جسے دیکھ کر ایک ہنگامۂ ماتم برپا ہو گیا۔

دیکھا جو شہ نے خیمے میں محشر ہے آشکار لاشہ اٹھا کے لے گئے سلطانِ نامدار
سر پیٹتے رہے حرمِ شیرِ کردگار بس اے آوئیس بسکہ نہیں دل کو اب قرار
محشر میں لطف اٹھیگا اس شور و شین کا
جنّت صلہ ہے حُبِّ جنابِ حسینؑ کا



شبیہ میر ببر علی انیس اعلی اللہ مقامہ

میر انیس لکھنوی

منظرِ صبح

پھولا شفق کا چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح گلزارہ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
گرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گذارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دمبدم مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار تھے طائروں کے غول درختوں پہ بیشمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

طلوعِ آفتاب

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں تھا جسکی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں

ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی — کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمرّدی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی — بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو امّت رسُول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتُول کی

وُہ پھُولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد — مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد — یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

حسنِ تعلیل

تھا بسکہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب — نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہر علقمہ بھی خجالت سے آب آب — روتا تھا پھُوٹ پھُوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ — ہر سُو جما رہا تھا صفیں شمر رو سیاہ
گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ — ممکن نہ تھا کہ ہو گذرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفانِ آبِ تیغ اُٹھا تھا فرات پر

انصار اور اعزّہ میں سے بعض کا تعارف کس خوبصورتی سے فرماتے ہیں :-

حق کے ولی مصاحب سردارِ انس و جنّ
کوئی جواں کوئی متوسّط کوئی مُسن
فاقوں میں با حواس لڑائی میں مطمئن
کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسینؑ پہ رَن میں تو عید ہو

قوّتِ بیان ملاحظہ ہو :-

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
جنکی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں تو الٹ دیں زمین کو

تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار
تھا جنکی چاہ میں دلِ یوسف بھی بیقرار
جانباز سرفروش بہادر وفا شعار
ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
ابتک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

اک سُو چراغِ[۱] محفلِ شبیرؑ جلوہ گر
روشن تھے جسکے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر
تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر

---

[۱] مراد حضرت قاسمؑ سے ہے ۔

جرأت نثار ہوتی تھی اس سرفروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں
کہتے تھے خوں بہائینگے ہم اس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں
اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

تھے پہلوئے حسینؑ میں زینب کے دونوں لال
گویا قرینِ بدر تھے دو نجم بے مثال
کاندھوں پہ نیچے نظر آتے تھے دو ہلال
ظاہر تھا چتونوں سے یداللہ کا جلال
نو دس برس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے

حضرت مُسلم کے دو صاحبزادے جو حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ تھے ان کا حال لکھتے ہیں کہ وہ آپس میں اپنے والد بزرگوار کے متعلق (جو کوفہ میں شہید کردئے گئے تھے) یہ باتیں کر رہے تھے۔

مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا
یہ ظلم اک غریب پہ بیکس پہ یہ جفا
لیجا کے بام پر سرِ انور کیا جُدا
خندق میں تن کو پھینک دیا وامصیبتا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی ابتک گڑی نہیں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلعذار
جو صدرِ زیں پہ مصدرِ[1] رحمت ہوا سوار

[1] مراد حضرت امام حسینؑ ہیں ؂

چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار آگے بڑھے علم لئے عباسؑ نامدار
پھولا ہوا چمن تھا امامِ امم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

سب سے پہلا تیر عمر سعد نے پھینکا - اسکے بعد شامیوں نے دس ہزار تیر جناب امامؑ کی طرف پھینکے جن سے آپ کے پچاس رفقا مجروح ہوئے - اسکے بعد اعزا کی باری آئی - حضرات عون و محمد میدانِ جنگ میں پہنچے - انکا یہ حال ہوا کہ :-

الٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے
باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب، غیرت کا جوش آگیا قاسمؑ کی ماں کو تب
مَل مَل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب ہمشکل مصطفٰےؐ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی
دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوشخصال قاسمؑ کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبیٰ کے لال کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
جاری ہیں اشکِ خوں مری چشم پر آب سے
زینبؑ کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے
گھر لٹ رہا ہے فاطمہؑ زہرا کا ہائے ہائے دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے پائے

گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
منہ دیکھنے کو کیا تمہیں پالا ہے شاہ نے

سب مر چکے امام دو عالم کے اقربا
باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں یہ دونوں مہ لقا
سر اُنکے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائینگے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
جلدی دلہن سے ملکے سدھارو پے جہاد
قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مراد
بیاہا تمہیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

مادر کے مُنہ کو دیکھ کے بولا وہ گلعذار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقتِ کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

حضرت قاسمؑ دلہن کے پاس آتے ہیں۔

یہ کہکے آئے سر کو جھکائے دلہن کے پاس
آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اُداس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
سب مر گئے عزیز شہنشاہ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزاخانہ ہو گیا

کس سے کہیں جو حالِ دلِ دردناک ہے　　تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے　　اب کوئی دم میں دلبرِ زہراؑ ہلاک ہے
آئی تباہی آلِ نبی کے جہاز پر
نرغہ ہے شامیوں کا امامِ حجاز پر
واللہ قتل ہونگے جو عباسؑ نامور　　صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیرؑ کی کمر
اکبرؑ خدانخواستہ مارے گئے اگر　　مر جائینگے تڑپ کے شہنشاہِ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا چلے ہیں لاش اٹھانے کیواسطے

محاکات

جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا　　دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
مُنہ پر دلہن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا　　جوشِ بکا ہیں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دُولہا کو اتنی بات سُنا کر اک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

اتنے میں میدانِ جنگ سے "ہل من مبارز"[1] کی صدا آتی ہے اور حضرت قاسمؑ کی والدہ بیٹے کو میدانِ جنگ کے لئے اشارہ فرماتی ہیں۔

فرما کے الوداع اٹھا دلبرِ حسنؑ[2]　　برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل پڑ گیا کہ لُٹتی ہے اک رات کی دلہن　　اسوقت سب سے دولہا کی ماں کا تھا یہ سخن

---

[1] آیا ہے کوئی لڑنے والا ٭ [2] یعنی حضرت قاسمؑ،

جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیوۂ زنِ بیوہ کے لال کی

حضرت قاسمؑ کی والدہ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرماتی ہیں ؎

سمجھے نہ اب کوئی کہ دلہن کی عزیز ہوں
کل تک تھی ساس آج سے اسکی کنیز ہوں

جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسنؑ کا لال — دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرورؑ بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہکر وہ خوشخصال — دیجئے رضائے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال
چلّائی ماں کہ سبطِ پیمبرؐ نہ روکنا
شبّرؑ[1] نے دی صدا کہ برادر نہ روکنا

لپٹا کے اسکو چھاتی سے بولے شہِ امم — پیارے تمہارا داغ بھی دل پر سہینگے ہم
یہ پیش وپس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم — تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار — روئے مثالِ ابر شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار — تسلیم کر کے قاسمِ گلرو ہوا سوار
دولہا کے نورِ رخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

[1] شبّر سے مراد حضرت امام حسنؑ ہیں جو واقعۂ کربلا سے پہلے زہر سے شہید ہو چکے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ گویا آپ کی روح نے زبانِ حال سے یہ صدا دی ؛

پہنچا جو رزمگاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا ادھر ادھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رُخِ پُر آب و تاب کی
سہرہ بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
تیر و سنان و نیزہ و خنجر بہم چلے
قاسمؑ بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دودم چلے
اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی نور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالمِ مقہور ہو گیا
چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اسطرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اُڑ گئے

ابن سعد اور ازرق کی باہمی گفتگو

تھا ابن سعدِ شوم کو اسدم بہت ہراس
غرقِ سلاح ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
اس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس
تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رُکتا ہے برچھیوں سے نہ دامِ کمند سے
جلدی سناں پہ اسکو اٹھا لے سمند سے

کہنے لگا بگڑ کے وہ باصد غرور و لاف
تو آپ بے حواس ہے تقصیر ہو معاف
یہ امر اے امیر شجاعت کے ہے خلاف
ہاں تب لڑوں علیؑ اگر آئیں پے مصاف

فرق آئیگا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں:

ڈرتے ہیں سب جبھی مری جنگ و جدال سے ‏ رستم کا نور آگے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے ‏ ناداں ہوں کیا لڑوں میں جو اس خردسال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں سورما ہیں صفدر ہیں شیر ہیں

عمر ابن سعد نے ازرق کے لڑکوں کو انعام و اکرام کا وعدہ کر کے آمادۂ جنگ کیا چنانچہ ان میں سے ایک لڑکا میدان میں پہنچکر حضرت قاسمؑ سے کہتا ہے کہ سنبھل جائیے اور اگر کسی اور کو بھی مدد کو بلانا ہو تو بلا لیجئے۔

قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار ‏ امدادِ وقتِ جنگ ہی شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں ہے سپرِ حفظِ کردگار ‏ او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر ‏ چلّے میں تین پھال[1] کا جوڑا اشقی نے تیر
تھا بسکہ تیز دست حسنؑ کا مہِ منیر ‏ بجلی سی آئی کوند کے شمشیر بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

---

[1] تین پھلوں کا تیر۔

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرے دستِ نابکار بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیر آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ او خطا شعار پکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے اُستوار
چلّہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی رُوح چھپ گئی تودے میں خاک کے

حضرت قاسمؑ کا تیر کمان سے چھوٹتا ہے اور ازرقِ شامی کا پہلا لڑکا گر کر مرجاتا ہے۔

مرکب سے گر کے مرگیا جب وہ عدوئے دیں نکلا ادھر سے تب پسرِ ثانی لعیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خشمگیں ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اسکے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اسطرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند بجلی سا کوندنے لگا دولہا کا بھی سمند
نیزا اُڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکلکشاؑ کے بند
یہ سُنکے اُسنے ڈھال کو چہرے پہ گو لیا
پتلی کو بیچیا کی سناں میں پرو لیا

بیکار گور ہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمیں نے کہ فی النار والسقر جا تو بھی ہے برادرِ عینی ترا جدھر
جز موت کچھ شقی کو نہ اسدم نظر پڑا
آنکھیں کُھلیں تو قعرِ[1] جہنم نظر پڑا

[1] دوزخ کی گہرائی ؛ [2] مراد حضرت علیؑ سے ہے

جھپٹا برادرِ سوم اُس کا بکڑ دفر
تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کہ الحذر

یاں بہر حفظ دستِ یداللہ تھے سپر
تیغ دو دم کو شیر نے تولا بچا کے سر

یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جسطرح تیغِ تیز اڑا دے خیارؔ کو

مرتے ہی اسکے فوج سے چوتھا پسر بڑھا
قاسمؑ پکارے او بلِ خود سر کدھر بڑھا

سُنتے ہی یہ وہ تیغِ دو دم کھینچکر بڑھا
جھنجھلا کے مجتبیٰؑ کا بھی لختِ جگر بڑھا

لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا

محاکات

بیچاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اسکے چار
ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار

جوشِ غضب سے سرخ ہوی چشمِ نابکار
مثلِ تنور مُنہ سے نکلنے لگا بخار

جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ٹانک کی کماں
ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں جا نہاں

چار آئینہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں
دب جائیں جسکے بوجھ سے رستم کے استخواں

کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال میں
جکڑا ہے پیلِ مست کو لوہے کے جال میں

لہ لکڑی ؛

ازرق شامی کے میدانِ جنگ میں آنے سے حضرت امام حسینؑ گھبرا گئے اور حضرتِ عباسؑ سے فرمایا کہ آؤ سب لوگ ملکر حضرتِ قاسمؑ کے لئے دعا کریں ۔

دُعا

یہ کہکے قبلہ رُو ہوئے سلطانِ کائنات درگاہِ کبریا میں دُعا کی اٹھا کے ہات
اے خالقِ زمین و زماں ربِّ پاک ذات ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسمؑ کو دے نجات
تو حافظِ جہاں ہے کریم و رحیم ہے
یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

قصّہ اس واقعہ کی خبر حرم میں پہنچاتی ہے کہ
عباسؑ روتے ہیں علی اکبرؑ اُداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبیؐ بیحواس ہیں

یہ سُنکر اہلبیت اطہار میں سخت پریشانی رونما ہوتی ہے ؎
عابدؑ کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسمؑ کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

اور سب اہلبیت آہ و بکا کرتے ہیں ۔

چلّائی رو کے زوجہ عبّاسؑ نوجواں یارب ہے تو یتیم حسنؑ کا نگہبان
سُنکر یہ غل دلہن کے بھی آنسو ہوئے رواں لیکر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
خالق کریگا رحم نہ آہ و بکا کرو
دولہا پہ آبنی ہے میں صدقے دُعا کرو

اس اضطراب میں جو سُنا ماں کا سخن زانو سے سر اٹھا کے ہوئی قبلہ رُو دُلہن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے ربِّ ذوالمنن دشمن پہ فتحیاب ہو لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

یارب دلہن بنے مجھے گذری ہے ایک شب دولہا جو مرگیا تو مجھے کیا کہینگے سب
ابتک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب پر کیا کروں کہ اب ہے مری روح پر تعب
شبیرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولہا سے پہلے مجھکو اٹھالے تو خوب ہے

اس طرف دُعائیں مانگی جا رہی تھیں اُدھر ازرق حضرت قاسمؑ کو للکار رہا تھا

فوجیں اِدھر دُعا کی چلیں سوئے آسماں بل کھا کے اسطرف یہ پکارا وہ بد زباں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں جوشن کو توڑتا ہے مرا تیرِ بے اماں
ہے اسکی فتح ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سُرمہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

قاسمؑ نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند اللہ کو غرور و تکبّر ہے ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سر بلند نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کُھل جائیگا ابھی کہ زبردست کون ہے

آگے ہمارے دعویٔ جرأت خدا کی شان گُدّی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زباں
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں نوجواں لے میان سے کہ اسکا بھی ہو جائے امتحاں

لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

حضرتِ قاسمؑ کی یہ باتیں سُنکر ازرقِ شامی برچھا اٹھاتا ہے حضرت عباسؑ جوشِ محبت میں حضرت قاسمؑ کے قریب آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

قاسمؑ نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور   رہیے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے اے غیور   دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دُور
ہشیار جانِ عم کہ دمِ کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں یہ تمہارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار   بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
صدقے ترے حواس کے اے میرے شہسوار   ہاں دونوں پاؤں کھیو رکابوں میں اُستوار
آنے دو اسکو تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بد مزاج ہو پیڑی جمی رہے

سُنکر صدائے شیر پکارا وہ بز دلا   کیا انکے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا
تیوڑی چڑھا کے حضرت عباسؑ نے کہا   بس ہے تجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں

نیزہ ہلا کے جانب قاسمؑ بڑھا وہ یَل   دولہا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بل   تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل

ضیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
کیجیو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

فنِ سپہگری

یہ کہکے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکاں چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
اک بند باندھکر جو فرس سے کہا کہ ہاں ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

قاسمؑ نے زور سے جو انی پر رکھی انی بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آبنی تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
اڑ کر گری زمیں پہ سناں اس تکان سے
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

جھنجھلا کے چوبِ نیزہ کو لایا وہ فرق پر قاسمؑ نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب قبضے میں لے کمانِ کیانی بصد غضب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
تیزِ نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اتر گیا

بولے یہ مُسکرا کے جگر گوشۂ حسنؑ رُخ پھیر لو نہ او ستم ایجاد پیل تن
چلّائے بڑھ کے حضرت عباسؑ صف شکن کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چیتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی تو چڑھالے کمان کو

دو سمت سے چلے جو ملامت کے اُسپہ تیر چلّایا تیغ تیز علم کر کے وہ شریر
ہاں اے حسنؑ کے لعل بدخشاں بڑھ بگیر نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز جو قاسمؑ سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے

مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن آنکھیں اُبل پڑیں صفت آہوئے ختن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بَن چلّائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہی رَن
میخیں زمیں کی اسکی تگا پو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

چھل بل دکھائی فوج کو دو ہاتھ اُٹھا اُڑا صورت بنائی جست کی سمٹا جما اُڑا
دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اُڑا مثل سمند بادشہ انّما اُڑا
جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

۱؎ یعنی وار کر اور وار جھیل ۲؎ کنایہ جناب امیر علیہ السلام سے ہے کیونکہ یہ آیہ آپ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ تفصیل اسکی طولانی ہے ؞

ازرق شامی کے وار کو حضرت قاسمؑ اسطرح روک لیتے تھے ؏

جسطرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بیک — دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک — اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

لایا جو حرف سخت زباں پر وہ بدخصال — جھپٹا مثالِ شیر درندہ حسنؑ کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا ابصد جلال — اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اسکی سپر سے ڈھال
اوجھڑ[1] لگی کہ ہوش اڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دئے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا — ہاں اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا — سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا بھی اسطرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کو دو ہو کے گر پڑا

غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو — بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو — لو کو فیو گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا

[1] اوجھڑ لگنا محاورہ ہے۔

عباسؑ نامدار تو ہنستے چلے ادہر یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دیں خبر
اس غمکدے میں دہر کے شادی کہاں مگر یاں اس بہنے یہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑکے پیاس میں مجبور ہو گئے
حربے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے

کیونکر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے اک اک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم مثل امیرؑ[1] عرب لڑے جانبازیاں ستم کی دکھائیں غضب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑکے زور جوانی دکھا دیا

للکارا جسنے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے یوں آئے جیسے شیر درندہ جھپٹ کے آئے
بجلی ادہر گری یہ جدہر کو پلٹ کے آئے صف کو بچھا کے آئے پرے کو الٹ کے آئے
منہ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بنکر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا دستِ یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا
پھر دستِ چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا تیورائے سنبھلے منہ سے لہو ڈالا دم لیا
ہاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ روکے تھی فوج تیروں سے اوپر چھپوں سی راہ
لشکر کے ساتھ تھا پسر سعد روسیاہ تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ

[1] مراد حضرت علیؑ سے ہے

غُل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو بجھادو حسنؑ کے چراغ کو

تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر پڑتی تھیں وہ قریب سے اس ناتوان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر ہلّہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چارطرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گردِ آفتاب کے

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر مارا کسی نے فرق پہ اک گرزِ گاؤ سر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پہ لگا تبر
طارق کی تیغ کھاکے پکارے امام کو
فریاد یا حسینؑ! بچاؤ غلام کو

جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
اس غیظ میں یہیں سے جو آئے سوئے لیسار بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں خوں سے رن کی زمیں لال ہوگئی
دولہا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہوگئی

دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں[۱]
داماد سے لپٹ گئے حضرت بصد فغاں بیجاں ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیمجاں
جب لاش اٹھائی شہ نے تو چور استخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشان تھے

[۱] زبان اینٹھنا یعنی زبان کا اکڑ جانا ؎

ڈیوڑھی پہ لائے لاش جو سلطان بحر و بر پردہ اٹھایا ڈیوڑھی کا فضّہ نے دوڑ کر
لاشے کے پاؤں تھامے تھا کوئی تو کوئی سر چادر کمر کی تھامے تھے عباسؑ نامور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئیں
رخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئیں

دُلہن کی نظر حضرتِ قاسمؑ کی لاش پر پڑتی ہے۔

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر پیٹے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر گھبرا کے تب سکینہؑ سے بولی وہ نوحہ گر
دولہا کی لاش آتی ہے سہرے کو توڑ دو
مسند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہِ بحر و بر اس بے نصیب اندکو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی یوں ہمیں اسکی نہ تھی خبر اب شرم کیا ہے دیکھ لے دُولہا کو اک نظر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دُولہا ہے نام کو بھی چچا کا پسر بھی ہے

حضرت یہ کہکے ہٹ گئے با چشم اشکبار پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوئے دلفگار
چادر سپید اوڑھا کے دلہن کو بحالِ زار گودی میں لائی زینبؑ غمگین و سوگوار
چلّائی ماں یہ گر کے تنِ پاش پاش پر
قاسمؑ اٹھو دُلہن آئی ہے لاش پہ

صدقے گئی چچی کو نہ ہوئے کہیں ملال رکھو دلہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسنؑ کے لال
واری بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال کیسا یہ خواب ہے کہ دُلہن کا نہیں خیال

کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

دلہن کی نظر لاش کے ٹکڑوں پر پڑتی ہے

جس دم دلہن نے لاش کے ٹکڑوں کی نگاہ — نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ — میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھکر نثار ہوں

اے پارۂ دلِ حسنؑ اے فدیۂ حسینؑ — کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
کیا کہکے روؤں اٹھ گیا ابتو جہاں سے چین — بیوہ کو کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
چھوڑا دلہن کو لاش پہ رونے کے واسطے
دولہا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

لکھے انیسؔ خوب بسرعت یہ چند بند — لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند — اسکے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

جب حضرتِ زینب کے پسر مر گئے دونوںؑ — تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑا کر گئے دونوں — دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں

ؑ عون و محمدؑ

زہراؑ کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؑ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؑ

دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی — نے[1] روئی نہ ماتم کیا نے خاک اڑائی
منہ سے نہ کہا یہ کہ لٹی کس کی کمائی — پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
سمجھی نہ کہ دنیا سے یہ پیارے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے

فرزندوں سے ماں کو کوئی ہوتا نہیں پیارا — جن بیٹوں کی عاشق تھی انہیں بھائی پہ وارا
بیدم ہوئے دو لعل پہ[2] دم اُسنے نہ مارا — پوچھا نہ کہ جنّت کی طرف کون سدھارا
چادر نہ گری سر سے نہ چیں آئی[3] جبیں پر
دو شکر کے سجدے کئے جھک جھک کے زمیں پر

پرسے[4] کیلئے آئیں جو سب بیبیاں باہم — فرمایا بھرے گھر میں مناسب نہیں ماتم
ہے ہے نہ کرو صاحبو مجھکو نہیں کچھ غم — مانگو یہ دعا خلق میں بھائی کا رہے دم
کونین میں رتبے مرے پیاروں کے بڑے ہیں
میں جانتی ہوں آج وہ پروان[5] چڑھے ہیں

کچھ قاسمؑ و اکبرؑ سے سوا انکا نہ تھا پیار — کیوں روؤں سلامت رہیں دونوں مرے دلدار

۱؎ نے بمعنی نہ - پرانی زبان ہے ۲؎ پہ بمعنی پر ۳؎ جبیں پر چیں آنا - ماتھے پر بل آنا ۴؎ پرسا - ماتم پرسی ۵؎ پروان چڑھنا - عزّت پانا -

سو ایسے پسر ہوں تو نثارِ شہِ ابرار میں شاد ہوں رحم ان پہ کرے ایزدِ غفّار
جبتک وہ مارے گئے تھے مجھ کو قلق تھا
حق بھائی کا مجھ پر تہا تو اُن پر مرا حق تھا

کہتے ہیں بڑا نام کیا خوب وغا کی ہر ضرب پہ خود قبلۂ عالم نے ثنا کی
سنتی ہوں الٹ دیں تھیں صفیں اہلِ جفا کی ہیں ایسی نہ تھی کچھ یہ عنایت ہے خدا کی
ہاں صاحبِ ہمّت تھے وفا کر گئے دونوں
حق دودھ پلانے کا ادا کر گئے دونوں

مرنا مجھے دونوں کا مبارک کرے اللہ پائیں ظفر اس لشکرِ کیں پر شہِ ذیجاہ
قاسمؑ کو تو قسمت نے دکھایا مجھے نوشاہ اب صوم سے اپنے علی اکبرؑ کا کروں بیاہ
تم روؤ نہ ماں ہو کے میں روتی نہیں لوگو
اکبرؑ سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو

ان باتوں پہ زینبؑ کی حرم کرتے تھے ماتم میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
کچھ مشورہ تھا اکبرؑ و عباسؑ میں باہم قاسمؑ کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم
پر شدتِ گریہ سے نہ یارا[1] تھا سخن کا
منہ ماں کا کبھی دیکھتے تھے گاہ دلہن کا

اسی حالت میں حضرت قاسمؑ ماں سے میدانِ جنگ کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

---

[1] لڑائی کے سخن کا یارا نہ تھا۔ بات کرنے کی طاقت نہ تھی۔

فق ہوگئی ماں سُنکے یہ فرزند کی تقریر بانو نے کہا ہائے مرے بچے کی تقدیر
خاموش بیٹھی گھونگھٹ میں دلہن صورتِ تصویر دولہا کا سخن سُنکے کلیجے پہ لگا تیر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ مُنہ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

حضرت قاسمؑ عجب کشمکش میں تھے اور فرماتے تھے ۔

اک جانِ ستمکش پہ عجب رنج و تعب ہے سُنتا ہوں کہ عباسؑ کو رخصت کی طلب ہے
یاں پاسِ محبت ہی تو واں جائے ادب ہے فرقت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کروں سر کو
الفت تو ادھر کھینچے[1] ہے اور موت اُدھر کو

اپنی دلہن کے متعلق حضرت قاسمؑ اپنی والدہ سے عرض کرتے ہیں
اس بند کا چوتھا مصرعہ میر انیسؔ کی قادر الکلامی کی دلیل ہے ۔

سب خیمۂ قاسمؑ میں جو آئے بدلِ زار دولہا نظر آیا انہیں باندھے ہوئے ہتھیار
رخصت ہوا مادر سے یہ کہکر وہ دل افگار اسوقت رہیں آپ ذرا ان[2] سے خبردار
جو بات مناسب ہو وہ سمجھائیو ان کو
لاش آئے جو میری تو نہ دکھلائیو ان کو

اسکے بعد آپ خیمہ سے باہر نکل کر حضرت امام حسینؑ کی خدمت

[1] کھنچے ہے ۔ دلّی کی زبان ہے ۔ میر صاحب اسی وجہ سے اکثر برسر ممبر فرما دیتے تھے کہ حضرت یہ میرے گھر کی زبان ہے ۔ حضرات لکھنؤ اسطرح نہیں بولتے [2] یعنی دلہن سے ؛

میں حاضر ہوتے ہیں۔

بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ
کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے للہ
لپٹا کے گلے سے اُسے شبیرؑ نے کی آہ
فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمۂ جانکاہ
پر خیر چچا بیکس و مجبور ہے بیٹا
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

میں دیکھتا تھا تمکو جو یاد آتے تھے بھائی
گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
ماتم بھی دکھایا ہمیں شادی بھی دکھائی
تم مرنے چلے اور نہ ہماری اجل آئی
کیا جانتے تھے ہاتھ سے یوں کھوئینگے تم کو
تم ہم کو نہ روؤگے ہمیں روئینگے تمکو

نے چلے جب شان سے چلنے کے دن آئے
سائے میں پلے دھوپ میں جلنے کے دن آئے
مرجھائے جو سبزہ[۲] کے نکلنے کے دن آئے
رُت پھر گئی جب پھولنے پھلنے کے دن آئے
افسوس مزا عالم فانی کا نہ دیکھا
کچھ تم نے ثمر باغ جوانی کا نہ دیکھا

حضرت امامؑ خدائے تعالےٰ کی درگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

بیٹی کے رنڈاپے کا بھی کچھ مجھکو نہیں غم
خوشنود اگر تو ہے تو شادی ہی یہ ماتم
ہے لطف ترا زخم جگر کا مرے مرہم
مقبول مری نذر ہو اے خالق عالم

---

[۱] پر بمعنی مگر۔ اب متروک ہے۔ پر کی جگہ مگر ہی بولا جاتا ہے۔ [۲] سبزہ سے مراد وہ رواں ہے جو نوجوانوں کے رخساروں اور ٹھوڑی پر پہلے پہل اگتا ہے۔

ہر چند کہ ہدیہ ہے یہ کیا اور میں کیا ہوں
سو بار جیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

میر انیس حضرت قاسمؑ کا سراپا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

شمعِ حرمِؑ لم یزلی تھا قدِ بالا پایا یہ کہاں ماہ دو ہفتہ نے اجالا
شانے پہ کماں بر میں زرہ ہاتھ میں بھالا اک حسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
نقشا کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مُرقّع میں نہیں اک ورق ایسا

تھا صولت و شوکت سے لعینوں کا جگر آب لڑتا تو کجا آنکھ ملانے کی نہ تھی تاب
چہرے کی لطافت پہ تصدق گُلِ شاداب غیرت سے اڑا جاتا تھا رنگ رخِ مہتاب
حق نے رخِ روشن کو عجب نور دیا تھا
خورشید نے بھی شرم سے منہ پھیر لیا تھا

لطافتِ تشبیہ

حیران تھا لشکر یہ ملک ہی کہ بشر ہے گیسو ہے کہ ہالہ ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
یہ ابروؤں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے پلکیں ہیں کہ سر پنجۂ شہباز نظر ہے
یاں دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

۱؎ شمعِ حرمِ لم یزلی ۔ خانۂ خدا کی شمع ۲؎ یعنی حسینؑ ۔ دنیا اسکی نظیر پیش نہیں کرسکتی ؛

بولا کوئی بیدرد کہ لڑکا ہے یہ جانباز — نکلا ہے نہ سبزہ نہ مسیں[1] ہیں ابھی آغاز
تیور ہیں مگر شیر کی چتون کا ہے انداز — برگشتہ ہے اس سے فلکِ تفرقہ پرداز
آتی ہے مہک بیاہ کر پھولوں کی بدن سے
کس وقت میں دولہا کو چھڑاتا ہے دلہن سے

سراپا

فانوس میں ہے شمع کہ ہے رخت بدن میں — رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں — سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس[2] کا
کیا گذرے گی اس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا
دیکھیں تو صفائی کو ذرا صاحبِ انصاف — یہ شمع تجلی ہے کہ ہے گردنِ شفاف
شانوں کی ہے شوکت سے عیاں شانِ حسنؑ[2] صاف — ہاتھوں کے یداللہ سے پوچھے کوئی اوصاف
پنجہ کیلئے ہیں نہ کلائی کے لئے ہیں
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی[3] کیلئے ہیں
ہر چند کہ ملبوس میں مستور ہے سینہ — روشن صفتِ روشنیِ طور ہے سینہ
ظاہر ہے کہ اک آئینۂ نور ہے سینہ — اللہ کے اسرار سے معمور ہے سینہ
نہ بدر میں یہ نور نہ یہ مہر میں ضو ہے
تکمہ تو ستارا ہے گریباں مہِ نو ہے

۱؎ مونچھوں کا ابتدائی رواں ۲؎ حضرت قاسمؑ کے والد حضرت امام حسنؑ سے مراد ہے۔
۳؎ یعنی یہ انگلیاں حاجتمندوں کی مشکلات کی گتھیوں کو سلجھاتی ہیں۔ یعنی انکی حاجتیں پوری کرتی ہیں ✤

ابن سعد آمدِ حضرت قاسمؑ کی خبر سنکر اپنی فوج کو اس طرح سمجھاتا ہے

باتوں پہ نہ جانا سخن انکے ہیں اثر دار ۔ پیچھے نہ ہٹے پاؤں دمِ جنگ خبردار

پھل پائینگے اس سرو کے کاٹے سے تبر دار ۔ سر لائیگا جو اسکا کرونگا اسے سردار

تیروں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو

شمشیر نہ کھائے تو اسے تیر سے مارو

لشکرِ غنیم یلغار کرتا ہے۔

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی یکبار ۔ تیغوں کی اٹھی موج میانِ صفِ اشرار

ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رَن میں نمودار ۔ بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار

پہنچا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں

بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

حضرت قاسمؑ تیغ آرا ہوتے ہیں۔

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمتِ عالی ۔ حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہوگئی خالی

تلوار نے آفت سرِ اشرار پہ ڈالی ۔ لڑنے کیلئے تیغ و سپر جس نے سنبھالی

تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ لعیں پر

دو ٹکڑے نظر آئے برابر سرِ زیں پر

اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صفِ اوّل ۔ وہ ہاتھ چلے تھے کہ اُدھر پڑگئی ہل چل

اعدا کا گھٹا زور پھٹا ڈھالوں کا بادل ۔ سر کٹ گئے یہ برچھیوں بھالوں کو ملا پھل

۱ؔ تبر۔ جنگ کا ایک ہتھیار کلہاڑے کی شکل کا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو تبردار سپاہی ان کا سر کاٹ کر لائینگے وہ اسکا پھل (انعام) پائینگے ؀

اسی سلسلہ میں کہتے ہیں۔

سہمے یہ کماندار کہ رُخ جنگ سے پھیرا چلائے گہ حلقے میں ہیں موت نے گھیرا[1]
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
میں دست بہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

ابن سعد کی حالت ملاحظہ ہو

تھا مضطر و حیراں پسر سعدِ ستمگر بہم یہ خبر دار[2] خبر دیتے تھے آ کر
سرداروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوئے لشکر دریا تلک آ پہنچا ہے لختِ دلِ شبیرؑ
اس شیر غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا

زورِ بیان

کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں کس ڈھال پہ شمشیر شرر بار کو روکیں
سو بجلیاں گرتی ہیں گر اک وار کو روکیں تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
اک برق جہندہ ہے تو اک سیلِ فنا ہے

۱؎ موت کے حلقے میں آنا۔ موت کے روبرو ہونا۔

۲؎ خبر دینے والے جاسوس ۔

ابن سعد اپنی فوج کے مشہور شہزور و شہ سوار پہلوان ازرق کو غیرت دلاتا ہے۔

ہر سال تجھے ملتا ہی اسپ و زر و انعام	سردار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہ ہے کام
شہرہ تری شمشیر کا ہی روم سے تا شام	دولہا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا ترا نام

شور آب دم تیغ کا اسکی لب جُو ہے
گریاں فلک آیا تو نہ پھولیں ہوں نہ تو ہے

ازرق جواب دیتا ہے۔

یوں کہنے لگا چیں بجبیں ہو کے وہ مغرور	لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
اس فوج پہ تو گو کہ حکومت پہ ہے مغرور	یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور

ارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہی سب میں
ہو جاؤنگا بدنام شجاعانِ عرب میں

مجھ سا کوئی عالم میں نہیں اور جوانمرد	ہوں رستم[1] و سہراب و نریمان کا ہم آورد
جلّادِ فلک کا ہی مری خوف سے منہ زرد	پٹکوں جسے میداں میں زمیں سی نہ اٹھے گرد

پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں
سرمہ ہو گر اک گرزِ گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب	پنجہ میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
چھیدوں دلِ ارجن[2] جو کروں تیر کو پرتاب	تلوار کو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب

---

[1] رستم۔ سہراب۔ نریمان عجم کے مشہور عالم پہلوان [2] ارجن ہندوستان کے عہدِ قدیم کا سب سے بڑا طاقتور پہلوان جو مہابھارت کی جنگ میں پانڈوں کی طرف سے لڑا تھا۔

اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسینؑ آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان　　یہ شیر کا فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
رہتا ہے لڑکپن سے انہیں جنگ کا ارمان　　جانباز ہیں مر کر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھنچے انکی تو سر تن سے جدا ہے
یہ ہاشمیؑ و مطلبی قہر خدا ہے

آنکھ انکی جھپکتی نہیں لاکھوں سے دمِ حرب　　نے خوفِ بلا انکو نہ رنج و الم و کرب
اوروں کے نہ سو وار نہ ان لوگوں کی اک ضرب　　ایسا کوئی جرّار نہیں شرق سے تا غرب
سر لاکھوں کے اڑ جاتے ہیں چڑھتے ہیں جو رن پہ
تلواریں بھی کھاتے ہیں تو ہنس ہنس کے بدن پہ

آنکھ ان سے دمِ جنگ ملائی نہیں جاتی　　بگڑیں تو کوئی بات بنائی نہیں جاتی
فاقوں میں بھی ہاتھوں کی صفائی نہیں جاتی　　رستم سے بھی ضرب انکی اٹھائی نہیں جاتی
بعضے جو حسینی ہیں تو بعضے حسنی ہیں
تلوار کے مالک ہیں شجاعت کے دھنی ہیں

سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے　　سوفار کو چلّے سے ملانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے　　بھاگیں تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے

لہ ہاشمی - قبیلہ بنی ہاشم اور مطلبی جو عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہو۔

یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر
شیر آتا ہے جسطرح سے آہو پہ جھپٹ کر

ازرق نے کہا گرچہ تری راست ہو گفتار پر میں تو نہ لڑنے پہ ابھی کھینچوں گا تلوار
قتل اسکا ہی منظور تو ہیں میرے پسر چار پہ روئیں تن و زور آور و نام آور و جرّار
ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا
سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزندِ حسنؑ کا

لکھتے ہیں کہ

یہ کہکے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا! ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
تو زور میں ہمثل شجاعت میں ہے یکتا یہ سنکے جفا جُو نے لیا ہاتھ میں نیزا
جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
بھاگے ہوئے بولے کہ چلا منہ میں اجل کے

نیزے کا ستمگار نے آتے ہی کیا وار قاسمؑ اُسے رد کر کے پکارے کہ خبردار
پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وُہ جفاکار بجلی سی ادھر سے بھی چلی تیغ شرربار
رو کے کسے ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
تیزی کو جو دیکھا تو نہ گھوڑا نہ سناں تھی

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر خالی دیا اس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
دولہا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر دستانے بھی ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر
نے تیغ نہ پنجہ نہ کلائی نظر آئی
اک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی

سر پر سے گرا خود ہٹا وہ جو جھجک کر
تھے ہار پڑے کھل گئے چہرے پہ لٹک کر
قاسمؑ نے لپیٹا اُسے پنجہ میں لپک کر
سر سے ہوا اونچا تو دیا گھوڑے پہ چکّر
سمجھا تھا وہ کچھ چرخ نے کچھ اور دکھایا
گردش نے زمانے کی نیا دور دکھایا

ازرق کے دوسرے بیٹے کو بھی حضرت قاسمؑ نے تہِ تیغ کر دیا - تو

فرزند سوم فوج سے نکلا صفتِ شیر
تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
دولہا سے رہی ردّ و بدل تیروں کی تا دیر
تھا گرچہ زبردست پہ قاسمؑ نے کیا زیر
وار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اسکا بچا کر
رہ جاتا تھا غصّہ سے وہ ہونٹوں کو چبا کر

لب پر جو اُدھر بے ادبانہ سخن آیا
سُنتے ہی اِدھر غیظ میں ابنِ حسنؑ آیا
اسوقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا
بالائے دہاں نیزۂ دنداں شکن آیا
جاں بہرِ سفر تن کی سرا سے نکل آئی
نیزے میں زباں چھد کے قفا[1] سے نکل آئی

اسے سپرد موت کرنے کے بعد

چوتھے کی طرف دیکھ کے قاسمؑ یہ پکارے
تو آکہ وہ تینوں تو جہنّم کو سدھارے
تلوار علم کرکے چلا طیش کے مارے
تھے ڈھنگ ادھر جنگ ید اللہ کے سارے
فرصت بھی نہ حربے کی ملی دشمنِ دیں کو
اک ضرب میں دو کر کے گیا چار لعیں کو

---

[1] قفا - گدّی۔

چاروں پسر ازرق کو نظر آئے جو بیدم
اک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اُس دم
طاری ہوا غصّہ نہ ملی فرصتِ ماتم
باندھا کمرِ نحس کو زنجیر سے محکم
بیٹے ہوئے سر برؔ جو نہ قتّالِ عرب سے
آنکھیں ہوئیں دو کاسۂ خوں جوشِ غضب سے

آیا وہ ستمگار سجے اسلحہ تن پر
شانے پہ کماں رُخ پہ چھلم فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اژدر
بر میں تو زرہ اور کمرِ نحس میں خنجر
کف غیظ سے منہ میں سخن سخت زباں پر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

نیزہ صفتِ مار زباں منہ سے نکالے
ترکش تھا کہ پانی میں نظر آتے تھے کالے
تلوار کا مُنہ ایسا کہ فولاد کو کھالے
ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
چار آینہ وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے

اور زیرِ زرہ پہنے تھا اسطرح کا بکتر
خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جمدھر
زنجیر سے باندھے تھا کمر یوں وہ ستمگر
حلقے میں ہو جسطرح لئے کوہ کو اژدر
وہ رشک تہمتن تو فرس پیلِ دماں تھا
اسوار نہ تھا کوہ پہ اک کوہ رواں تھا

چنگھاڑ کے رَن میں صفتِ دیو پکارا
کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا

۱؎ سر بر نہ ہوئے۔ غالب نہ ہوئے ؎

قاسمؑ نے صدا دی کہ یہ ہی کام ہمارا الفت ہے جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
ان بازوؤں میں زور ہی خالق کے ولی کا
تو ازرقِ شامی ہی میں پوتا ہوں علیؑ کا

یاں ہونے لگی قاسمؑ و ازرق میں لڑائی نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خدائی
ازرق کی تو کرتا تھا عمر مدح سرائی اکبر کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے مرے بھائی
اب گھوڑے کی ٹاپوں تلے پامال ہی ازرق
تم شیر کے فرزند ہو کیا مال[1] ہے ازرق

پرکار سے میدان میں پھرنے لگے مرکب دو کر دیا نوشاہ نے وار اسنے کیا جب
بندھتا تھا کوئی بند نہ بندھتا تھا کوئی ڈھب جرأت میں ید اللہ یہ تھے اور وہ مرحب
اٹھتے تھے تتق[2] گرد کے میدانِ بلا میں
چنگاریاں اڑتی تھیں سنانوں سی ہوا میں

نیزوں کی ہوئی ردّ و بدل اُن میں برابر تھک تھک گئے پسپا نہ ہوا وہ نہ یہ سرور
گھوڑے بھی تگ و پو سے پسینے میں ہوئے تر تھے غیظ میں نوشاہ تو غصہ میں ستمگر
وہ گونجتا تھا شیر کی مانند ادھر سے
یاں یا اسد اللہ کے نعرے تھے جگر سے

نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں جن سے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
حملہ تھے یہ شانوں سے نہ سر کیں تھیں کمانیں لڑ لڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں

---

[1] کیا مال ہے یعنی کیا ہستی رکھتا ہے۔ ہیچ ہے [2] تتق - پردہ۔

تھی زد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی اڑ کر
غصہ سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر
قاسمؑ کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر   مشہور ہے دستِ ملک الموت ہے شمشیر
خالی گئے گو نیزہ و گرز و تبر و تیر   اے طفلِ حسنؑ اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کرونگا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تو مور سے کمزور ہے میں پیلِ دماں ہوں
قاسمؑ نے کہا تول کے شمشیر دو دستی   اک دم میں نہ یہ زور رہیگا نہ یہ مستی
پہنچائیگی دوزخ میں تجھے جور پرستی   دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی
حاکم جو ادھر ہے تو اِدھر شاہِ نجف ہے
شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے
بل کھا کے ستمگار نے غصہ سے کہا ہاں   قاسمؑ نے کہا اب یہی گو ہے یہی میداں[1]
بولا یہ اٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں   لے وار مرا روک تو اے کودکِ ناداں
تھی پاس سپر بھی نہ پہ اُس وار کو روکا
نوشاہ نے تلوار پہ تلوار کو روکا
چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو بتائی   ہٹنے کی بھی مہلت نہ ستمگار نے پائی
اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی   ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اٹھائی

۱؎ یہی گو ہے یہی میداں "مقابلے پر ابھارنے کیلئے بولتے ہیں۔ اصل محاورہ فارسی میں یوں ہے "ہمیں چوگان ہمیں گوئے" اردو میں شاعر نے ترجمہ کر لیا ہے اردو میں "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا" بولا جاتا ہے۔

اَحسنتَ کا غل فوج کے انبوہ سے اُٹھا
معلوم ہوا ابرِ سیہ کوہ سے اُٹھا

عبّاسؑ صدا دیتے تھے عمّوؑ ترے قربان — کس شان سے کرتے ہو وغا واہ مری جان
وہ دیو ہے ضربت کے بچانے کا ہے دھیان — ہر وقت کا موقع ہے بڑھے جاؤ نہ اس آن
زد پہ دمِ شمشیر کے آنے دو لعیں کو
جاتا ہے کہاں مار لیا صاحبِ کیں کو

ہاں مغفرِ دشمن پہ گئی تیغ سپر سے — مغفر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسۂ سر سے
بجلی سی چمک کر اِدھر آئی جو اُدھر سے — گردن تھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے
کیا ہاتھ جفا کار کو نوشہؑ نے مارا
تھا شور کہ مرحب کو ید اللہ نے مارا

بجلی سی اُٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر — للکار کے قاسمؑ نے کیا نعرۂ تکبیر
یاں خاک پہ سجدے کے لئے جھک گئے شبّیرؑ — شادی سے ہوا سرخ رخِ اکبرِ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسؑ علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

حضرت قاسمؑ شہید کر دیئے جاتے ہیں۔

سچ کہتے ہیں ہیں شادی و غم خلق میں توامؔ — معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
دولہا پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم — تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم

۱؎ عربی کا فقرہ ہے بمعنی شاباش ۲؎ نوشا۔ نوشہ بمعنی دولہا ۳؎ توام۔ ساتھ ساتھ

اردو مرکز لاہور



تیر آتے تھے سینے پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر

زخموں کا لگا خون رکابوں سے ٹپکنے
طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
پانی کے لئے تن میں لگی روح پھڑکنے
مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے

سینے پہ سناں گرز لگا کاسۂ سر پر
تیورا کے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

میر مونس لکھنوی

فخریہ

مشاطۂ عروسِ سخن ہے زباں مری
نہرِ ارم کی موج ہے طبعِ رواں مری
جاتی ہے عندلیبِ جناں تک فغاں مری
سب سے جدا ہیں زمزمہ پردازیاں مری

اے ہمصفیر کیوں نہ کروں بار بار شکر
بلبل ہوں باغِ مرتضوی کا ہزار شکر

فضلِ خدا سے بزمِ سخن کا چراغ ہوں
چودہ گلوں کی بوئے محبت سے داغ ہوں
ایسا چمن ملا ہے کہ جو باغ باغ ہوں
طوبےٰ پہ آشیاں ہے وہ عالی دماغ ہوں

لہ حضور سرور کائنات جناب فاطمہ اور بارہ امام مراد ہیں جو خاندانِ رسالت سے ہیں جن میں حضرت علیؑ ، امام حسنؑ ، امام حسینؑ ، حضرت سجاد وغیرہ وغیرہ ہیں۔

چرچا ہے زمزموں کا مرے آسمان پر
ہیں طائرانِ قدس کے نغمے زبان پر

منظرِ صبح

جب بجھ گیا فلک پہ کنول ماہتاب کا پہنا لباس لیلیٰ شب نے حجاب کا
اُلٹا عروسِ صبح نے گوشہ نقاب کا تارے چھُپے ظہور ہوا آفتاب کا
غافل جو خواب میں تھے وہ ہشیار ہو گئے
طالع ہر ایک چشم کے بیدار ہو گئے

انجم کی انجمن سے قمر کو ملا فراغ پھولی شفق خزاں ہوا لیلیٰ شب کا باغ
چلنے لگی نسیم سحر گُل ہوئے چراغ روشن رہا مگر دلِ خیر النسا کا داغ
غُل تھا اذاں کا مرغِ خوش الحاں چہکتے تھے
شبنم کے اشک دامنِ گل پر ٹپکتے تھے

منظرِ صبحِ صحرا

خنکی وہ صبح کی وہ ترائی وہ سبزہ زار وہ جھومنا ہوا سے درختوں کا بار بار
جنگل کے وہ گلوں کی مہک اور وہ بہار آواز بلبلوں کی وہ دلچسپ خوش گوار
گرمی میں لطفِ سردیِ موجِ نسیم تھا
ہر شخص محوِ قدرتِ ربِّ کریم تھا

تڑکا[۱] وہ نور کا وہ بہارِ رخِ شفق وہ نور وہ فضا و بیاباں لق[۲] و دق
ذروں سے زرفشاں تھا جو سب ناگ کا ورق گردوں پہ ہو گیا تھا رخِ ماہتاب فق

۱؎ ابتدائے صبح ۲؎ بڑا سنسان جنگل

رفعت دکھا رہی تھی زمیں اپنی شان کی
گویا اتار لی تھی قبا آسمان کی

طلوعِ آفتاب

پرتو فگن جو نہر میں تھا روئے آفتاب روشن چراغِ دیدۂ ماہی تھے زیرِ آب
ہر ہر رہا تھا رق کو موجوں کا پیچ و تاب تھا سُرخ پوش عکسِ شفق سے ہر اک حباب
دریائے حسن نہر میں تھا اک ملا ہوا
پانی پہ تھا گلاب کا تختہ کھلا ہوا

جناب امامؑ فریضۂ سحری سے فارغ ہونے ہی تھے کہ فوجِ شام وغا طلب ہوئی۔ حضرت طیّاری کا حکم دے کر زنانہ خیمہ میں تشریف لے جاتے ہیں۔

فرما کے یہ محل میں در آمد ہوئے جناب دیکھا کہ کوئی چشم نہیں آشنائے خواب
مضطر ہیں ساری بیبیاں دیدۂ پُر آب سب سے سوا ہے حضرتِ زینبؑ کو اضطراب
چہرہ ہے زرد دل پہ ہجومِ ملال ہے
مرنے میں کرب ہوتا ہے جیسے وہ حال ہے

حضرت امامؑ بہن کو تلقین صبر فرماتے ہیں۔

شہ نے کہا زباں نہ ہلانا سوائے صبر دیتا ہے اہلِ صبر کو عادل جزائے صبر
ٹکڑے جو ہو جگر بھی تو دل سے نہ جائے صبر زینبؑ نے عرض کی مجھے کسطرح آئے صبر
بھائی حسن سے چھوٹ گئی ماں سے باپ سے
اب کربلا میں آ کے بچھڑتی ہوں آپ سے

جناب امام حسین اور حضرت زینبؑ میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عباسؑ حاضر ہو کر اسطرح عرض پرداز ہوئے

بپھّرا[1] رہے ہیں فوج سے پیہم خطا شعار
نکلیں برائے جنگ شہنشاہ نامدار
بپھرے ہوئے ادھر بھی ہیں شیرانِ روزگار
بے مرضیِ حضور مگر کیا ہے اختیار
کہیے تو سرکشوں سے کمانوں کو چھین لیں
ناری دلاوروں سے نشانوں کو چھین لیں

فرمایا شہ نے چلتے ہیں جلدی ہی کیا ضرور
ہم دور ہیں نہ فوجِ ضلالت نشاں ہے دور
غازی نے کی یہ عرض کہ جو مرضیِ حضور
پہنا امامِ پاک نے بر میں لباسِ نور
کرتا ابوترابؑ[2] کا جامہ رسولؐ کا
پٹکا حسنؑ کا سبز عمامہ رسولؐ کا

جناب امامؑ سب سے رخصت ہو کر عازمِ میدانِ جنگ ہوئے فوجِ حسینی کے جلوس کے سلسلہ میں حضرت عباسؑ کی تعریف کرتے ہوئے مرثیہ نگار اسطرح کہتا ہے کہ

کس شان سے دلیر چلے اس جوان کیساتھ
نعرے تھے یا علی ولی کے نشاں کیساتھ
گلدستۂ بہشت تھا سروِ رواں کیساتھ
جاتی تھی فوجِ نور امامِ زماں کیساتھ
حسرت تھی آفتاب کو چہروں کے روپ پر
دھوکا تھا چاندنی کا بیاباں کی دھوپ پر

[1] بپھرنا غصہ میں بھڑک اٹھنا [2] حضرت علیؑ کا خطاب ہے۔

واقعہ نگاری

جرأت میں ایک ایک جری لاجواب تھا جو باوفا تھا لاکھوں میں وہ انتخاب تھا
جلدی مریں ہر اک کو یہی اضطراب تھا کوچ ایک کا تھا دوسرا پا در رکاب تھا
سیرِ ارم لکھی تھی زبس ہر نوشت میں
سب سرخرو پہنچ گئے باغِ بہشت میں

یہ حال دیکھ کر حضرت قاسمؑ سخت متاثر ہوئے۔ حضرت امامؑ کی خدمت میں بصد جوش اسطرح عرض کرتے ہیں۔

جذبۂ ایثار

مولا شہید ہو چکے انصار آپ کے کھا کھا کے زخم مر گئے غمخوار آپ کے
سب کام آئے یار و مددگار آپ کے کمسن کئی گذر گئے دلدار آپ کے
اب بیکسی حضور پہ حد سے زیاد ہے
امیدوارِ اذنِ وغا خانہ زاد ہے

اسکے سوا حضور کے کیا حق ہیں ہم پہ کم بیٹوں کی طرح آپ کے بر میں پلے ہیں ہم
فرمائیے کن آنکھوں سے دیکھیں یہ درد و غم تڑپے زمیں لہو سے عزیزوں کے ہی ستم
بچھڑے وہ ساتھ کھیل کے جنکے بڑے ہوئے
واللہ اب رہینگے نہ ہم بے لڑے ہوئے

حضرت قاسمؑ نے[۱] اس لہجہ و درد میں حضرت امامؑ کی بے کسی و مظلومی

---

[۱] یعنی اکثر رفقائے حسینؑ شہید ہو گئے۔

کا ذکر کیا کہ بے اختیار

باتیں یہ سُنکے قلب پہ اک تیرِ غم چلا بے اختیار رونے لگے شاہِ کربلا
چھاتی لگا کے پیار کیا مُنہ سے مُنہ ملا چُوما کبھی دہن کبھی ماتھا کبھی گلا
یاد آگئی حسینؑ کو تقریر بھائی کی
آنکھوں کے آگے پھر گئی تصویر بھائی کی

حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ۔

جذباتِ محبت

واللہ ہم کو درد جدائی ہے ناگوار بہر رضائے رب مُصر ہو نہ بار بار
نوبادۂ حسنؑ ہو تم اے میرے گلعذار پھُولو پھلو ابھی کہ یہ ہے موسمِ بہار
بیٹا تمہارے سر سے گزرنے کے دن نہیں
راتیں شباب کی ہیں یہ مرنے کے دن نہیں

حضرت قاسمؑ بے اختیار اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کے قدموں پر گر پڑتے ہیں۔ اور باصرار اجازت طلب کرتے ہیں۔

شہ نے اٹھا کے قدموں سے ابنِ حسنؑ کا سر لپٹا لیا کلیجے سے اپنے بچشم تر
رو کر کہا اسی میں تمہاری خوشی ہے گر کیا اختیار خیر اجاڑو چچا کا گھر
اچھا اٹھاؤ ہاتھ جوانی میں جان سے
صورت دکھا کے ماں کو سدھارو جہان سے

جناب امامؑ مجبوراً اجازت دیتے ہیں، حضرت قاسمؑ حسب الارشاد جناب امامؑ والدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر رخصت طلب کرتے ہیں یہاں

سے اجازت حاصل کرنے کے بعد آپ دُلہن سے رُخصت ہونے کے لئے انکے پاس جاتے ہیں۔ کچھ کہہ رہے تھے کہ

جذبۂ ایثار

ناگہ پکاری ماں کہ میں قربان جاؤں آؤ نرغہ ہے شامیوں کا چچا کی مدد کو جاؤ
اعدا کے فرق پر پُرسشِ تیغ آزماؤ لینا ہے باغ خُلد تو پھل برچھیوں کے کھاؤ
صدقے گئی عزیز نہ اپنا لہو کرو
جلدی گلا کٹا کے مجھے سُرخرو کرو

خیمۂ اہل بیت سے باہر نکلتے وقت

بانو پکاری قاسمؑ ذیجاہ الوداع اے نورِ چشم چودھویں کے ماہ الوداع
آواز دی پھوپھی نے کہ نوشاہ الوداع اے ابنِ فاطمہؑ کے ہوا خواہ الوداع
پھر چاند سی یہ شکل دکھانا نصیب ہو
دولہا بنا ہوا تجھے آنا نصیب ہو

حضرت قاسمؑ جناب امام کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت امامؑ ارشاد فرماتے ہیں۔کہ

بولے گلے لگا کے یہ شبیرؑ خوشخصال بیٹا کرا چچا کی نہ غربت کا کچھ خیال
تسکینِ دل ہے اس غم جانکاہ میں محال گویا کہ آج ہوتا ہے شبّرؑ کا انتقال
درپیش پھر وہی ہے مصیبت جدائی کی
ملتی تھی شکل تم سے بہت میرے بھائی کی

محاکات

ملکر سبھوں سے حضرت شبر کا یادگار
خنجر کمر میں رکھکے بڑھا سوئے راہوار
بازو پکڑ کے شہ نے فرس پر کیا سوار
تسلیم کر کے باگ اُٹھائی بصد وقار
غازی ہیں سب سواری حیدر کے طور تھے
نیزہ دھرا جو دوش پہ تیور ہی اور تھے

گھوڑے کی تعریف

مثل غزال چوکڑی بھرتا چلا سمند
سینے سے مُنہ ملا کے سنورتا چلا سمند
ہر ہر قدم پہ شوخیاں کرتا چلا سمند
سُم دوش پر نسیم کے دھرتا چلا سمند
گردِ قدم عُقاب کو پانا محال تھا
سایہ پری کو بھی نظر آنا محال تھا

مرثیہ نگار حضرت قاسمؑ کی شان اسطرح نمایاں کرتا ہے ۔

شانے بھرے بھرے ہیں تو بازو ہیں صاف صاف
گلدستہ باندھتا ہی انہیں عقل کے خلاف
کہنی تک آستین جو چڑھی ہے پئے مصاف
ساعد عیاں ہے صورتِ شمشیر بے غلاف
آواز آرہی ہے یہ پستی و اوج سے
نکلی ہے مچھلی حسن کے دریا کی موج سے

حضرتِ قاسمؑ میدانِ جنگ میں پہنچکر رجز خوانی کے سلسلہ میں کیا خوب کہتے ہیں ۔ گرتی ہے دیکھو برق غضب آسمان سے

جنگ

یہ ذکر تھا ابھی کہ چلے اسطرف سے تیر
کھینچی ادھر بھی شبر نے تیغِ قضا نظیر

جم کر اڑا سمند سوئے لشکرِ شریر　　کالی گھٹا میں ڈھالوں کی ڈوبا مہِ منیر
کوندی جو برق ہاتھ اِدھر تن اُدھر گرے
ڈھالیں گریں زمیں پہ تو ڈھالوں سے سر گرے

حضرت قاسمؓ کی شمشیر زنی سے فوجِ شام کی یہ حالت ہو گئی۔

حملوں سے فوجِ قاہرہ مسمار ہو گئی
جانوں کی لوٹ موت کو دشوار ہو گئی

تلوار کی تعریف میں ایک جگہ کیا خوب کہا ہے۔

مارا جسے وہ صاحبِ کیں فوت ہو گیا
ہاتھ انکا شہپرِ ملک الموت ہو گیا

تلوار کی تعریف

کیا آگ تھی کہ سر پہ گری جب تو سر جلا　　بھڑکی اِدھر کو چنبرِ گردن اُدھر جلا
آگے بڑھی تو سینۂ بیداد گر جلا　　پہلو جلا بھڑکنے لگا دل جگر جلا
مانندِ تارِ شمع ہر اک رگ سُلگ گئی
شعلے کی طرح آگ سراپا میں لگ گئی

چہرے پہ اُسکی ضرب طمانچہ قضا کا تھا　　تیزی نہ باڑھ[1] کی تھی غضب کبریا کا تھا
آفت کی چال ڈھال تھی کس بل بلا کا تھا　　مُنہ دیکھ لو یہ رنگ بدن کی صفا کا تھا
لالی لہو کی لب پہ جو تھی رزمگاہ میں،
بیڑے پری نے کھائے تھے دولہا کے بیاہ میں

[1] بمعنی دہار۔

حضرت قاسمؑ کے حملوں سے فوج میں برہمی اور ابتری پیدا ہوگئی تو عمرؑ سعد نے ازرق شامی کو بلایا اور کہا کہ میں تجھے بہت انعام دونگا جا اور ابنِ حسنؑ کا سر کاٹ لا۔ اُسنے کہا میں تو اسکے مقابلہ میں نہیں جاؤنگا ہاں میرے چار لڑکے ہیں۔ ان میں سے ایک چلا جائیگا۔ اور ابھی سر کاٹ لائیگا۔ پسرِ ازرق حضرت قاسمؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور لاف زنی کرتا ہے ع اَے خرد سال اب ترا بچنا محال ہے۔

یہ بات اس شقی نے بہ اعلان جب کہی ابنِ حسنؑ میں تابِ خموشی نہ پھر رہی
نعرہ کیا کہ ہم میں ہے زورِ یداللّٰہی رُک جائے بے سپر تری تلوار تو سہی

معرکہ آرائی

سُننا تھا یہ کہ تیغ چلی نابکار کی چھپکی نہ آنکھ قاسمؑ ضیغم شکار کی
کل مُڑ گئی اِدھر سے اُدھر راہوار کی پھُرتی دکھائی بجلیے اُسے ذوالفقار کی
ابرِ سیہ پہ صاعقۂ شعلہ ور گرا
گردن سے کٹ کے گھوڑے کے پیچھے پہ سر گرا

ازرق کا دوسرا لڑکا مقابلہ کے لئے نکلکر رجز خوانی کرتا ہے حضرت قاسمؑ اسطرح جواب دیتے ہیں۔

سرکش ہمارے مُنہ پہ یہ دعوائے زور و ضرب ہے دہاکؑ کس کی تیغ کی مابین شرق و غرب
ہرچند کربلا میں ہے دو دن سے رنج و کرب اولادِ شیرِ حقؑ سے ہے پر کسکو تابِ حرب

لہ دہاک ؔ لہ مراد حضرت علی سے ہے ؞

لڑکے بھی یاں کے جنگ میں جی چھوڑتے نہیں
سیفِ خدا ہیں حرب سے مُنہ موڑتے نہیں

یہ بھی حضرت قاسمؑ کی تلوار سے آخرکار مارا جاتا ہے۔ تیسرا لڑکا مقابلہ کے لئے آتا ہے۔ اور تیر افگنی کے کمالات دکھاتا ہے۔

محاکاتِ رزمیہ

قاسمؑ نے بھی اٹھائی کماں تیر جوڑ کے | لی ڈھال اُسنے سامنے رُخ اپنا موڑ کے
ناوک اُدھر ہوا ہوا چلّے کو چھوڑ کے | نکلا قفا سے گردنِ سرکش کو توڑ کے
اس معرکے کے ذکر کتابوں میں رہ گئے
ظالم گرا تو پاؤں رکابوں میں رہ گئے

گھوڑے نے اسکے مڑ کے جو دیکھا یہ انقلاب | جھجکا اڑا الٹ گیا دوڑا بصد شتاب
ٹوٹا ہر استخواں یہ ہوا قصرِ تن خراب | رگ رگ پہ عضو عضو پہ ہونے لگا عذاب
کیفِ شرابِ ظلم جو تھا دُور ہو گیا
چاروں سُموں سے کاسۂ سر چُور ہو گیا

ان ذِلّتوں سے کام جب اُسکا ہوا اخیر | چوتھا لعیں سپاہ سے جھپٹا بسانِ تیر
آواز دی جری نے کہ تو کیا ہے او شریر | دبتے رہے ہیں یاں کے جوانوں سے تیرے پیر
بُزدل تھا ڈر گیا جو وہ اس روک ٹوک پر
رہوار سے اٹھالیا نیزے کی نوک پر

تڑپا سناں پہ صورتِ ماہی وہ تا بہ دیر | دیتے رہے نگاں پہ نگاں قاسمِؑ دلیر
پٹکا زمیں پہ جب تو یہ گونجے مثالِ شیر | حضرت کے دوست کرتے تھے یوں دشمنوں کو زیر

ازرق سے کہدو فکر کرے کارزار کی
قبریں بنائے ایک جگہ آکے چار کی

ازرق اپنے چاروں لڑکوں کو اپنی آنکھ کے سامنے قتل ہوتے دیکھ کر جوشِ غضب میں بیتاب ہوکر خود مقابلہ کے لیئے نکلا۔ حضرت امام حسینؑ کچھ فاصلہ سے حضرت قاسمؑ کی معرکہ آرائی کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ ازرق کو نکلتے دیکھ کر آپ بیتاب ہوجاتے ہیں۔ شاعر اس موقع کی تصویر اسطرح کھینچتا ہے۔

اس طنطنے سے اسکو جو دیکھا وغا طلب — صدمے سے ہاتھ ملنے لگے شاہِ تشنہ لب
آنکھوں میں اشک بھر کے پکارے کہ ہے غضب — آفت ہمارے پیارے بھتیجے پہ آئی اب
بچّہ ہے اُٹھ سکے گی نہ ضرب اس لئیم کی
امداد کیجیو مرے خالق یتیم کی

ازرق اور حضرت قاسمؑ میں نیزہ بازی ہوتی ہے

معرکہ آرائی

گرما گئے سمند سناں سے لڑی سناں — گہ پُورمیں تو گاہ گرہ میں گڑھی سناں
دی اک تکاں جو رکھ کے سناں پر کڑی سناں — اُڑ کر سناں سی مثلِ شرر گر پڑی سناں
طاری ہوا بس اور بھی طیش اُس لعین پر
لکڑی سمجھ کے ڈانڈ کو پٹکا زمین پر

شمشیر زنی

ہوش اڑ گئے ذلیل ہوا سخت بے ہنر — تولا بہ طیش ہاتھ میں لے گرزِ گاؤ سر

گھوڑا ملا کے گھوڑے سے کی ضرب فرق پر یاں تیغِ شرگاف نے سینہ کیا سپر
قربان اس برش کے نثار اس خراش کے
سر کی شقی کے گرز کو ترچھا تراش کے

پیہم خفتوں کے بعد حریف تلوار کا وار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن حضرت قاسمؑ نے اسکو موقع نہیں دیا۔ گھوڑے کو اسطرح کاوا دینا شروع کیا کہ

ازرق کو وار تیغ کا دشوار ہو گیا
نقطہ بنا حریف یہ پرکار ہو گیا

گھوڑے کی تعریف میں دو بند ملاحظہ ہوں۔

بھرتا تھا اس روش سے طرارے ادھر ادھر اڑتا ہے جیسے باغ میں طاؤس اٹھا کے پر
دُم تھی کہ ہوتا آتا تھا نوشاہ پر چنور منہ میں تو کف بھرا ہوا اور شیر کی نظر
تاثیر تھی مزاج میں گھوڑے کے آگ کی
مثلِ شرر اچکتا تھا جنبش سے باگ کی

سُرعت یہ جسمیں ہوائے کوڑے کی کب ہے تاب ملجاتی تھیں کنوتیاں ہلتی تھی جب رکاب
طاقت میں دبدبے میں تہور میں لاجواب شیہہ کرے تو زہرہ ضیغم ہو آب آب
ہر دم یہ چاہتا تھا دہانے کو چاب کے
دشمن کو مار ڈالئے ٹاپوں سے داب کے

لہ شیہہ بکسر شین و فتح ہائے ہوز آوازِ اسپ کو کہتے ہیں اسکی عربی صہیل ہے اور صیہہ بمد او اور حائے حطی سے بمعنی بانگ و عذاب و فغاں کے آیا ہے۔ آوازِ اسپ سے مخصوص نہیں ہے۔

جناب علی اکبر دور سے حضرت قاسمؑ کو آواز دیتے ہیں -

میداں تمہارے ہاتھ ہی جیتے ہوئے ہو رن
یہ جنگ یادگار رہے اے میرے صف شکن
مشہور ہے مثل "زدہ را می تواں زدن"
کاٹو زرہ سمیت ستمگار کا بدن
رکھتے ہو زور ہاتھ میں مشکلکشائی کا
جلوہ دکھا دو دستِ علی کی صفائی کا

معرکہ آرائی

دو بجلیاں سی کوندتی تھیں چل رہے تھے وار
بالیدہ ہو رہا تھا یہ سُنکر وہ نامدار
اٹھتا تھا خاک سے تتق گرد بار بار
تھے تر بتر عرق میں تگ و دو سے راہوار
جنباں زمیں تھی غلغلۂ گیر و دار سے
سب بھر گیا تھا شیشۂ گردوں غبار سے

شمشیر زنی

آیا جلال میں وہ ہزبرِ شہِ انام
غصّے میں کچھ شقی نے جو بیجا کیا کلام
واں ہاتھ اٹھا ادھر سے چلی تیغِ انتقام
بس جا پڑا اسد کی طرح اسپ تیز گام
سن سے در آئی قلب میں ترپے نکل گئی
دشنے پہ گر کے پہلوئے چپ سے نکل گئی

دادِ شجاعت

تکبیر کہہ کے شیر نے اکبرؑ پہ کی نگاہ
دو ہو کے گر پڑا تہِ مرکب وہ رو سیاہ

ا؎ مارے ہوئے کا مارنا ممکن ہے ؛

اکبر نے سر ہلا کے یہ آواز دی کہ واہ افسوس آج جیتے نہیں ضیغمِ الٰہ
جرأت یہ ہے کہ فرق نہ آئے حواس میں
واللہ کیا لڑے ہو تم اس بھوک پیاس میں

محاکات

پہنچا حرم میں فتح کا مژدہ جو ناگہاں سجدے کو جھک گئے سوئے قبلہ شہِ زماں
بولی اُٹھا کے ہاتھ یہ قاسمؑ بنے کی ماں بیوہ کو تو نے بھیک دی اے ربِّ انس و جاں
کہکر یہ بات خیمے کی ڈیوڑھی سے ہٹ گئی
جلدی بلائیں لے کے دُلہن سے لپٹ گئی

اسطرف فتح کی خبر سے سب لوگ مسرور تھے۔ اُدھر حضرت قاسمؑ کو فوجِ شام نرغہ کر کے حلقہ میں لے لیتی ہے۔

چاروں طرف سے پڑنے لگے سینہ پہ زخم شانوں پہ زخم پاؤں پہ زخم اور سر پہ زخم
تھے پشت پر سنانوں کے روزن کمر پہ زخم سینے پہ گھاؤ دل پہ جراحت جگر پہ زخم
جاتے کدھر کہ خیمۂ شبیرؑ دُور تھا
سر تا قدم سمند بھی تیغوں سے چُور تھا

محاکاتِ رزمیہ

پیوست تھے جبیں پہ کئی ناوکِ ستم خون آستیں سے پونچھتے جاتے تھے دمبدم
باہم جو زانوؤں پہ لگے خنجر دو دم ٹھہرے کسی طرح نہ رکابوں میں پھر قدم
"تھم جا" فرس سے کہکے جو خاموش ہو گئے
ماتھے کو رکھ کے یال پہ بیہوش ہو گئے

اسی حالت میں یکایک کچھ ہوش آگیا۔ زمین پر گرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کو بآوازِ بلند پکارتے ہیں۔

دوڑو چچا یہ کہکے جو قاسمؑ نے دی صدا
جھپٹے حسینؑ کھینچے ہوئے تیغِ مرتضیٰ
گھوڑے بھگائے سب نے قیامت ہوئی بپا
پامال ہو گیا تنِ فرزندِ مجتبیٰ

پہنچے جو شہ قریب تنِ پاش پاش کے
ٹکڑے ملے زمین پہ دولہا کی لاش کے

رنگینیِ بیان

یارب مجھے جمالِ عروسِ سخن دکھا
تصویرِ مہرو باغِ ریاضِ حسنؑ دکھا
اہلِ عزا کو آج نئی انجمن دکھا
پھولا ہوا بہشتِ بریں کا چمن دکھا

رضواں فدا ہو باغِ فصاحت نظام پر
بلبل کو وجد ہو مرے طرزِ کلام پر

وہ باغ کر عطا مجھے اے ربِّ دوجہاں
آئی ہو جز بہار نہ جسمیں کبھی خزاں
رنگیں گلوں سے تختۂ کاغذ ہو بوستاں
وہ گل کھلیں کہ گلشنِ عالم ہو گلفشاں

مضموں وہ ہوں کہ جنمیں نزاکت ہو رنگ ہو
دیکھے سے جسکے بلبلِ شیراز دنگ ہو

واقعہ نگاری

جب مرچکے رفیقِ شہنشاہِ دوسرا
بچھڑے شہِ امم سے عزیزانِ باوفا
یاں تک کہ قتل ہو گئے زینبؑ کے دلربا
روئے مفارقت میں بہت شاہِ کربلا

قاسمؑ رہے نہ اکبرؑ و عباسؑ رہ گئے
ستر دو تن میں تین جواں پاس رہ گئے

حضرت قاسمؑ جناب امام حسینؑ کی خدمت میں شوقِ شہادت کا اظہار کرتے ہوئے اجازتِ جنگ طلب کرتے ہیں اور یہانتک اصرار کرتے ہیں کہ حضرتِ امامؑ اجازت دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ امام عالی مقام سے رخصت ہو کر حضرت قاسمؑ اندر جاتے ہیں۔

مصروف ضبطِ غم نہیں جہاں خواہرِ امام
روتا ہوا اسی طرف آیا وہ نیکنام
دیکھا پھوپھی کا حال تو کانپا بدن تمام
پُرسا کہاں کا پھر تو نہ تھی طاقتِ کلام
صدمہ ہوا جو غم کا دلِ دردناک پر
زینبؑ کے پاس بیٹھ گئے فرشِ خاک پر

حضرت زینبؑ سے بھی اجازت لے کر آپ اپنی والدہ سے رخصت طلب کرتے ہوئے اسطرح کہتے ہیں۔

جلدی بس اب غلام کو اذنِ وغا ملے
اور آبرو بڑھے جو دُرِ مدعا ملے
خوش ہو کے تب یہ کہنے لگی وہ فلک وقار
حاصل ہوئی مراد مری شکر کردگار
لو میں بھی تم کو دیتی ہوں اب اذن کارزار
جانا ہے دور جلد سدھارو یہ ماں نثار
سر کو نثار بادشہِ نیک خو کرو
مجھ کو پھوپھی سے صدقے گئی سُرخرو کرو

آخر کار سب بیبیوں سے رخصت ہو کر جناب قاسمؑ میدان مقابلہ

کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

بیٹھا سنبھل کے اسپ صبا دم پہ جب جری
اوج و حشم سے پست ہوا چرخِ چنبری
بھالا رکھا فرس پہ بہ آئینِ صفدری
لینا تھا باگ کا کہ فرس بن گیا پری

چھیڑا جو اک ذرا فرسِ خوش خرام کو
اُٹھی عقب سے گردِ سواری سلام کو

حضرت قاسمؑ میدان میں اس شان سے پہنچتے ہیں

پہنچا جو قتل گاہ میں جری اس جلوس سے
جنگل تمام بس گیا عطرِ عروس سے

فوجِ مخالف سب آپ کو دیکھتی ہے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے جیسے کہ :-

دیکھی نگاہِ قہر جو شبّرؑ کے شیر کی
فوجِ ستم پہ چھا گئی ہیبت دلیر کی

حضرت قاسمؑ رجز خوانی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

رائج ہے اپنے نام کا سکّہ جہان پر
جرأت کا خاتمہ ہے اسی خاندان پر

اسکے بعد آپ جوہرِ شمشیر زنی اسطرح دکھاتے ہیں۔

تلوار کی تعریف

ہر سر میں مثلِ عقل سما کر نکل گئی
فانوسِ تن میں آگ لگا کر نکل گئی
شمع حیات عمر بجھا کر نکل گئی
ناری کو ہر طرح سے جلا کر نکل گئی

دم تک نہ لینے دیتی تھی ظالم کو زین پر
چو رنگ کاٹتی تھی گرا کر زمین پر

جس صف پہ مثل برق چمکتی ہوئی چلی اک آگ تھی کہ تن میں سلگتی ہوئی چلی
تن سے نکل کے روح بھڑکتی ہوئی چلی موت اسکے ساتھ ساتھ لپکتی ہوئی چلی
ناری کو ساتھ لے گئی دوزخ میں ٹال کے
پھر آئی اسکو قعرِ جہنم میں ڈال کے

عمر ابنِ سعد کے کہنے پر ازرق پہلوان اپنے لڑکوں میں سے ایک کو مقابلہ کے لئے روانہ کرتا ہے۔

یہ سنتے ہی بس ان میں سے اک پہلواں بڑھا غصے میں تولتا ہوا گرزِ گراں بڑھا
آ کر غضب میں یاں سے بھی شیرِ ژیاں بڑھا نعرہ کیا کہ او یلِ خودسر کہاں بڑھا
شیروں کے سامنے نہ دلیرانہ آئیو
آگے سقر ہے پاؤں سمجھ کر اٹھائیو

شمشیر زنی

مارا شقی نے سنکے یہ اک گرزِ گاؤ سر آنا تھا گرز کا کہ چلی تیغِ شعلہ در
رکھکر سپر کو سر پہ ہوا خم وہ بے ہنر غل تھا چمک کے تیغ شرر دم گئی کدھر
دیکھا تو ڈھال کٹ کے گری خود پسند کی
پھر گرز تھا نہ سر تھا نہ گردن سمند کی

دوسرا لڑکا مقابلہ کرتا ہے، حضرت قاسمؑ کے پہلے ہی وار سے اسکا ایک ہاتھ کٹ جاتا ہے۔

معرکہ آرائی

وہنا جو دستِ نحس گرا کٹ کے خاک پر ظالم نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ شعلہ ور
آیا جو پھر یتیم حسنؑ کے قریب تر غازی نے دستِ پاک بڑھایا سوئے کمر
کھینچا جو اسکو زور سے بے حال کردیا
جب گر چکا تو گھوڑے سے پامال کردیا

تیسرا لڑکا آیا تو اسکا بھی یہی حال ہوا۔

ظالم کا ہاتھ اُٹھا کا اُٹھا بس دھرا رہا
اک ہاتھ میں نہ ہاتھ رہا اور نہ سر رہا

ازرق کا چوتھا لڑکا مقابلہ کرتا ہے۔

برچھا اُٹھا کے شیر پہ جھپٹا یہ کینہ جو قاسمؑ پکارے آتو سہی میں ہوں اور تو
یاں سے بڑھا ہزبر ادھر سے وہ تند خو مارا جو ہاتھ تیغ گئی سر سے تا گلو
اُتری گلے سے صدر و جگر کاٹتی ہوئی
جا پہنچی تا بہ ناف کمر کاٹتی ہوئی

آخر ازرق صف سے مقابلہ کے لئے نکلا۔

مرقع نگاری

ڈنکا ہوا پرے سے جو نکلا وہ پہلوان آواز بوق و دف سے ہلا قصر آسماں
آمد وہ اس شقی کی وہ غصہ کہ الاماں بد خو و بد درون و سیہ قلب و بد زباں
قوت میں مثلِ مرحب و سہراب و زال تھا
گھوڑے کا اسکے بار سے چلنا محال تھا

مرثیہ نگار نے ازرق کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے۔ کہ

دوہری جھلم تھی رُوئے نجس پر پڑی ہوئی
دستانے دونوں ہاتھوں میں تیوری چڑھی ہوئی
شانے پہ وہ کمانِ کیانی کہ الحذر ترکش میں تیر وہ جو کریں سنگ میں گزر
نیزہ دھرا تھا گوشِ فرس پر بہ کرّ و فر پیچھے پڑی تھی کالی بلا کی طرح سپر
دو گرز دونوں کاندھوں پہ لڑنے کے دھیان میں
دو تیغیں ایک ہاتھ میں اور ایک میان میں

واقعہ نگاری

آپہنچا اس شکوہ سے جس دم وہ نابکار سید ادھر ہوا ادھر بھی فرس پر یہ شہسوار
بولے قریب آکے یہ عبّاسِ نامدار لو میرے شیر آتا ہے یہ پانچواں شکار
روباہ کو نہ دیجیو رستہ گریز کا
دکھلادو کاٹ چھانٹ اسے تیغ تیز کا

ازرق لاف زنی کرتا ہے۔ حضرت قاسمؑ اسطرح جواب دیتے ہیں :-

دھمکا نہ طفل جان کے او بانیِ ستم کر امتحان اسکا بھی لے تیغ برق دم
پیلِ دماں کو مور سے ہم جانتے ہیں کم بہرام ہے تو گور جھکائینگے تجھ کو ہم
فوجوں کے جی چھڑا دیئے ہم وہ دلیر ہیں
لڑکا نہ جان شیرِ الٰہی کے شیر ہیں
نخوت یہ فربہی پہ تن و توش پہ یہ بل بودا ہے کیا وغا تری اور کیا تری جدل

دم میں یہ طنطنہ ترا جائیگا سب نکل مغرور یہ غرور گرائے گا مُنہ کے بل
کیا دیکھتا ہے شیروں کو روباہ گھور کے
ڈھائینگے تجھکو یہ ترے کلمے غرور کے

طنز

بھڑکا یہ سُنکے ناری مغرور جوں تنور نیزے کو دیکھ بھال کے لپکا وہ بے شعور
للکار کر یہ کہنے لگے قاسمؑ غیور لے باندھ کوئی بند جو نیزے کا ہے غرور
ہاں وار کر سناں کا جو جینے سے سیر ہے
کھُل جائیگا کہ کون زبر کون زیر ہے

حضرتِ عباسؑ اور جناب علی اکبرؑ قریب کھڑے ہوئے معرکہ جنگ دیکھ رہے تھے حضرت قاسمؑ مخالف کے ہر وار کو بڑی خوبصورتی اور صفائی سے ردّ کر دیتے ہیں۔ مرثیہ نگار نے اس موقع پر کیا خوب کہا ہے:۔

تعریف کر کے اکبرؑ ذیجاہ ہٹ گئے
عبّاس نامدار گلے سے لپٹ گئے

واقعہ نگاری

تب مسکرا کے کہنے لگے قاسمِ غیور آتا ہے بار بار جھپٹ کر یہ پُر غرور
مجھ کو یہ خوف ہے کہیں زخمی نہ ہوں حضور اس دھوپ میں حضور یہ تکلیف کیا ضرور
اب کام بس تمام ہے اس تیرہ فام کا
سایہ میں تھم کے دیکھئے لڑنا غلام کا

ازرق پیچھے ہٹتا ہے۔ حضرت عباسؑ بھتیجے کو کچھ نکات جنگ سمجھاتے ہیں کہ حریف حضرت عباسؑ کے پاس آکر کہتا ہے۔

سنکر صدا ہژبر کی بولا وہ بد خصال　　دعویٰ ہو کچھ تو آپ بھی آئیں پے جدال
بولے بگڑ کے حضرت عباس خوشخصال　　تیرے لئے بہت ہی یہی طفل ذو شغال
تو کیا لڑے گا مجھ سے یہ طاقت کہاں تری
گُدّی سے کھینچ لونگا ستمگر زباں تری

بولے یہ بڑھکے اکبرؑ عالی جناب تب　　تن پر نہ ہوگا سر جو چچا سے کہا کچھ اب
مغرور اپنے زور پہ بھولا ہوا ہے سب　　حیدر کا لال جنگ میں عاجز ہی تجھ سے کب
دبتے ہیں شیر کب اسد ذوالجلال کے
شیروں کی پھینکدیتے ہیں آنکھیں نکال کے

حضرت اکبر جوش غیرت و شجاعت سے اپنے چچا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

کہیے تو بل نکال دوں اس خود پسند کے
گردن پکڑ کے ڈال دوں نیچے سمند کے

یہی جذبہ حضرت قاسمؑ پر طاری ہوتا ہے۔ ازرق سے کہتے ہیں:۔
شیروں سے یہ کلام جناب امیر کے
رکھدونگا ایک آن میں کلّے کو چیر کے

معرکہ آرائی

بپھرے جو تین شیر تو سہما وہ خود پسند　　جھپٹا جری یہ باندھ کے نیزے کی چند بند

غصّے میں جا پڑا وہ جری چھیڑ کر سمند ماری سناں سناں پہ تو شعلے ہوئے بلند
ضربت پڑی تو بن گئی موذی کی جان پر
ڈانڈ اسکے ہاتھ میں تھی سناں آسمان پر

ازرق حضرت عباسؑ، علی اکبرؑ اور حضرت قاسمؑ کے طنزیہ فقرے سُنکر بھڑک اٹھتا ہے۔ شاعر نے اس موقع کی تصویر نہایت کامیابی سے اتاری ہے۔

جھپٹا یہ سُنکے تولے ہوئے گُرز نابکار ہشیار باش کہکے جو کی ضرب ایک بار
ہٹکر دیا دلیر نے خالی شقی کا وار خالی گیا جو وار تو گھبرایا نابکار
غصّے سے ہونٹ چاب کے تھرّا کے رہ گیا
مرکب پہ تن کے بیٹھ کے شرما کے رہ گیا

حریف کا جی چھوٹ گیا۔ آخر راہ فرار اختیار کی۔ حضرت قاسمؑ تعاقب کرتے ہیں۔

بھاگا زیادہ تر جو یہ سُنکر وہ نابکار جھپٹا ادھر یہ شیر درندہ سوئے شکار
رستہ جری نے روک کے ناری کا ایکبار کاوے پہ بڑھکے ڈالدیا جلد راہوار
گھوڑا تھا گرد بیچ میں ششدر شریر تھا
جاتا کہاں کہ دامِ اجل میں اسیر تھا

الغرض ازرق حضرت قاسمؑ کی تلوار سے مارا جاتا ہے۔ حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ جناب قاسمؑ کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اور یہ خوشخبری جناب امام حسینؑ تک پہنچانے کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔

فوجِ شام میں اس واقعہ سے جوش پیدا ہوتا ہے اور قاسمؑ پر حملے شروع ہو جاتے ہیں -

یہ حال تھا کہ آنے لگے فوجِ کیں سے تیر   پیغامِ مرگ لائے یسار و یمیں سے تیر
تھا کون جو نکالے تنِ نازنیں سے تیر   سینے سے برچھیاں ہوئیں پار جبیں سے تیر
آہوں سے شعلۂ دلِ سوزاں بھڑک پڑے
تیغوں سے کٹ کے آنکھ تک ابرو لٹک پڑے

حضرت قاسمؑ زخموں سے چُور چُور ہو جاتے ہیں - آپ کی یہ حالت تھی کہ -

صدمے ہزار ہا دلِ مضطر کے ساتھ تھے
آنکھوں میں دم تھا گھوڑے کی گردن میں ہاتھ تھے

اس حالت کو دیکھ کر حضرت امامؑ قریب پہنچکر بے اختیار آہ کھینچتے ہیں -

غش میں سُنی جو شاہ کی فریاد با اثر   دیکھا چچا کو خون بھری آنکھوں کو کھول کر
مُنہ چُوم کر حسینؑ نے پوچھا بچشمِ تر   کیا حال ہے بتا تو مرے پارۂ جگر
آہستہ کی یہ عرض کہ خادم کا کوچ ہے
دنیا سے اب حضور کے قاسمؑ کا کُوچ ہے

لیں کروٹیں یہ کہکے زمین پر اِدھر اُدھر   دم ٹوٹنے لگا تو کراہے بچشمِ تر
ہچکی جو لی تو سینے میں تھرّا گیا جگر   سوکھی زباں دکھا کے جہاں سے کیا سفر
آخر ہوئے کمر شہِ والا کی توڑ کر
آگے چچا کے مر گئے ہاتھوں کو جوڑ کر

منظرِ طلوعِ سحر

پھولا جب آسماں پہ گُل آفتابِ صُبح نکلا حجابِ شب سے رُخِ لاجوابِ صُبح
دفتر کشائے صبح نے کھولی کتابِ صُبح ہونے لگا سپہر بریں پر حسابِ صبح
گردوں پہ حاملانِ سحر کا ظہور تھا
عالم تمام مطلعِ خورشید نور تھا

صُبحِ چمن

غنچے کھلے نسیم ریاضِ جناں چلی باغِ جہاں میں صرصرِ عنبر فشاں چلی
گلشن سے مارے شرم کے بادِ خزاں چلی ہنسکر کہا بہار نے کیوں اب کہاں چلی
سیرِ چمن تو کر کہ مرا دور دورہ ہے
غنچے کھلے ہیں رنگِ گلستاں اب اور ہے

وہ صبح اور وہ نور کا تڑکا وہ سبزہ زار گلہائے بوستانِ پیمبر[1] کی وہ بہار
تھی شاخِ گُل پہ بلبلِ سدرہ کی یہ پکار قربان باغِ مرتضوی پر ہزار بار
رونق انھی کے دم سے ہے دنیائے زشت میں
ایسے تو گُل کھلے بھی نہ ہونگے بہشت میں

صبحِ صحرا

شبنم تھی یوں گلوں پہ دُرافشاں دمِ سحر جسطرح چاندنی میں لُٹائے کوئی گہر

---

[1] یعنی خاندان رسالت کے افراد۔

بادِ صبا کا ناز سے چلنا اِدھر اُدھر
نغمے وہ بلبلوں کے وہ پھُولے پھلے شجر
بلبل کا اس بہار سے دل باغ باغ تھا
ارضِ عُلا کا عرشِ بریں پہ دماغ تھا
ٹھنڈی ہوا وہ دشت کی وہ صبح کا ظہور
تھے محوِ یادِ حق میں درختوں پہ سب طیور
پھیلا جو آفتاب فلک کا جہاں میں نور
گل ہو گیا نسیم سحر سے چراغ طور
ظلمت کا عکس پردۂ شب میں نہاں ہُوا
مشرق سے چرخ پر خطِ ابیض عیاں ہوا

جناب امام حرم سرا سے باہر تشریف لائے ۔ رفقا حاضر خدمت ہوتے ہیں اور سلام پیش کرتے ہیں اسکے بعد

لیکر سلام شاہ نے سب پر نگاہ کی
دیکھی قلیل فوج تو اک دل سے آہ کی

درسِ طاعت

اکبر سے پھر یہ بولے شہنشاہ انس و جاں
دو جا کے جلد لشکرِ اسلام میں اذاں
پھر ہم کہاں نماز جماعت یہ پھر کہاں
کرلیں ادا عبادت خلاقِ دو جہاں
ہر دم بشر کو چاہیئے مرنے کی فکر ہو
لازم ہے زیر تیغ بھی خالق کا ذکر ہو

بے ثباتی

خوشبو سے ان گلوں کی یہ جنگل بسے گا آج
ہوگی کسی کو غسل و کفن کی نہ احتیاج

لہ یعنی رفقاء ؀

دنیا جہان کا ہے ازل سے یہی رواج
کیا ہو گئے وہ لوگ جو لیتے تھے سب سے باج
املاک لے گئے نہ زر و مال لے گئے
دنیا سے ساتھ نامۂ اعمال لے گئے

نماز کے بعد آپ خیمہ میں تشریف لائے - اور سب سے رخصت ہونے لگے حضرت زینب سے فرماتے ہیں!

عبرت

یوں دفعتاً نہاں ہوئے جسکا بیاں نہیں
مطلق کسی کو کچھ خبر رفتگاں نہیں
دیکھا تو وہ مس نہیں طفل و جواں نہیں
مہروں پہ نام رہ گئے کندہ نشاں نہیں
گردش نئی ہے روز نیا انقلاب ہے
دنیا کو سچ کہا ہے کسی نے کہ خواب ہے

موت کی یاد

انساں کو چاہیئے رہے پیش نظر اجل
جانا ہر اک کو ہوگا کوئی آج کوئی کل
منزل بہت کڑی ہے یہ ہی خوف کا محل
پرسش کسی طرح کی نہ واں ہوگی جز عمل
ملکِ عدم کا کوچ ہے زادِ سفر نہیں
پا در رکاب بیٹھے ہیں لیکن خبر نہیں

اہلبیت کو تسکیں دے کر جناب امام میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

آیا فرس سوار ہوئے سرورِ انام
گھوڑوں پہ جلد جلد چڑھے اقربا تمام
رن کو چلی سواریٔ سلطانِ خاص و عام
آگے بڑھے علم لئے عباسؑ نیکنام

رفعت بڑھی سپاہ سعادت سرشت کی
ٹھنڈی ہوا پھریرے سے آئی بہشت کی
پہنچے جو اس حشم سے امام فلک وقار رن میں صفیں جمانے لگے شہ کے جاں نثار
بڑھکر پکارے حضرتِ عباسؑ نامدار ہاں غازیو امام زمانہ سے ہوشیار
یہ قبلۂ مراد ہے سب رُخ ادھر کریں
آئیں اُدہر سے تیر تو سینہ سپر کریں

واقعہ نگاری

اتنے میں فوجِ شام سے تیر آئے بیشمار رخصت طلب ہوئے شہِ والا کے جاں نثار
لڑ بھڑ کے قتل ہو گئے جب سب رفیق و یار آئی خزاں چمن میں محمدؐ کے ایک بار
گل سے بدن پہ تیروں کے پھل کھا کے رہ گئے
وہ تازہ پھول دھوپ میں مُرجھا کے رہ گئے

حضرت قاسمؑ حصول اجازت کے بعد جنگ کرتے ہیں

رزمیہ

محوِ ثنا یہاں تھے ابھی شاہ نیک خُو قاسمؑ پہ رَن میں ٹوٹ پڑے دفعتاً عدو
حربے لعیں لگانے لگے آ کے چارسُو زخموں سے گر کے خاک پہ بہنے لگا لہو
سر پہ پڑا جو گرز تو تیورا کے گر پڑے
رہوار سے زمین پہ غش کھا کے گر پڑے

لہ مراد حضرت زینب کے صاحبزادوں حضرات عون و محمدؑ سے ہے۔

حضرت قاسمؑ جناب امام حسینؑ کو پکارتے ہیں۔

مرقع نگاری

یہ سنکے آہیں بھرتے ہوئے شاہ دیں چلے
اکبر بھی ساتھ باپ کے اندوگیں چلے
عباسؑ تیغ تولے ہوئے خشمگیں چلے
کس غیظ سے چڑھائے ہوئے آستیں چلے
غصے سے رنگ چہرۂ پرُ نور لال تھا
ضیغم کبھی بپھرتا ہے جیسے یہ حال تھا

پہنچے جو قتل گاہ میں شاہ فلک وقار
آ آکے سدِّ راہ ہوئی فوجِ نابکار
جھپٹے مثالِ شیر جو عباسؑ نامدار
بھاگڑ پڑی فرار ہوئے سب جفاشعار
دیکھا جو غیظ ابن شہِ قلعہ گیر کا
یاد آگیا جلال جناب امیرؑ کا

الغرض حضرت امام حسینؑ بھتیجے کی لاش پر پہنچتے ہیں، لاشۂ قاسمؑ سرد ہوچکا ہے، آپ اٹھا کر خیمہ میں لاتے ہیں۔ یہاں کہرام بپا ہو جاتا ہے ؛

شاہدِ مضمون کی تعریف کے سلسلہ میں مرثیہ نگار کہتا ہے۔

تعریفِ سخن

ہمدم ہے یہ کیوں اسپہ طبیعت ہو راغب
دل اس سے مخاطب ہے زباں اس سے مخاطب
تنہائی کا مونس یہی حاضر یہی غائب
دلسوز کا دلسوز مصاحب کا مصاحب

شفاف دل آئینہ نمط ہوتے ہیں اس سے
سو غم ہوں تو اکدم میں غلط ہوتے ہیں اس سے

مَیں صاف کہوں مجھکو محبّت ہی سخن سے
تلخی میں بھی ہر وقت حلاوت ہی سخن سے
دلکو ہی مزہ روح کو راحت ہی سخن سے
خلوت میں عجب طرح کی صحبت ہے سخن سے

عشق اس سے نہ کیونکر ہو دلِ حُسن طلب کو
شیریں ہے اگر دنکو تو لیلیٰ ہے یہ شب کو

رنگ چمنِ بزمِ سخنداں اسے کہیے
ہاں رشکِ بہارِ گل و ریحاں اسے کہیے
جو غیر خزاں ہے وہ گلستاں اسی کہیے
کہئے بھی تو جانِ تنِ انساں اسے کہیے

گویائی کی طاقت کسی بیجاں میں کہاں ہے
اس سے یہ ہے ثابت کہ سخن جانِ جہاں ہے

یادِ رفتگاں

جسدن سے انیسؔ اس چمنستاں سی سدھارے
بلبل کے چہکنے کے مزے اُٹھ گئے سارے
دِل بُجھ گیا صدمے سے ہوئے گور کنا رے
ہو جائیے خاموش یہ تھا دل میں ہمارے

پر[1] خاطرِ احباب سے منظور کیا ہے
اصرار نے اُن لوگوں کے مجبور کیا ہے

انساں کیلئے کم ہی یہ اندوہ و محن کیا
اس درد سے آگاہ نہیں صاحبِ فن کیا
افسردہ ہو جب طبع تو پھر لطفِ سخن کیا
گلچیں نہیں اب رونق گلہائے چمن کیا

---

[1] مرنے کے قریب "پَر" لیکن کے معنوں میں متروک ہے ؛

روتا ہوں کہ امید ملاقات نہیں ہے
زندہ تو ہوں کہنے کو پہ وہ بات نہیں ہے

بے ثباتی و عبرت

جاتی نہیں پژمردگیٔ غنچۂ خاطر افسردگیٔ طبع ہے ہر بند سے ظاہر
ملتے نہیں جو لوگ عدم کے ہیں مسافر صحبت یہ غنیمت ہو کہ اب ہم بھی ہیں آخر
اک روز سفر بادلِ ناشاد کرینگے
احباب اسی طرح ہمیں یاد کرینگے

واقعہ نگاری

ایسا بھی زمانے میں نہ ہوگا نہ ہوا عقد سب پر ہی یہ روشن کہ شبِ قتل بندھا عقد
شبرؑ کی وصیت تھی فقط عقد تھا کیا عقد سب روتے تھے جب سبطِ پیمبرؐ نے پڑھا عقد
تھا ضبط کا یارا نہ جواں کو نہ مُسن کو
شادی تو ہوئی رات کو ماتم ہوا دن کو

محاکات

دولہا بنے بیٹھے ہیں مگر دل ہے مکدّر پہنے ہوئے ملبوس تنِ حضرتِ شبّرؑ
چھوڑے ہوئے شملے کے سرے دونوں برابر نہوڑائے ہوئے زانوئے غم پر سرِ انور
آخر ہے وہ شب زیست کی مدّت سفری ہے
شمشیر دو دم سامنے مسند پہ دھری ہے

مرثیہ نگار شبِ عقد کی تصویر کیا اچھے لفظوں میں کھینچتا ہے ۔ کہتا ہے کہ :۔

اندھیر تھا بجھنے پہ جو تھی شمع امامت
تھا بیاہ عجب بیاہ کہ برپا ہے قیامت

پھر کہتا ہے۔

مشتاقِ دمِ تیغ دلِ ابنِ حسنؑ تھا
منہ فق تھا رنڈاپے کے تصوّر میں دلہن کا

دلہن کی آنکھیں وفورِ رنج و غم سے پُرنم ہوگئیں شاعر ان جذبات کی ترجمانی کرتا ہوا کیا خوب کہتا ہے

صاف آگئی آواز دھڑک جانےکی دل کے
تھے دو گل بادام کہ مُرجھا گئے ہل کے

پلکوں اور آنسوؤں کی تشبیہ ملاحظہ ہو۔

شبنم سے گہر کچھ سرِ مژگاں نظر آئے
دو پھول تہِ پنجۂ مرجاں نظر آئے

آئین عروسی سے ہوئی جبکہ فراغت سجدے میں جھکی دخترِ خاتونِ قیامت
بجنے لگے باہر بھی مصلّے پئے طاعت سب خاصۂ محبوب ہوئے محوِ عبادت

تھا ذکرِ خدا انجمنِ شاہ شیاں ہیں
آخر وہ نمازِ شبِ آخر تھی جہاں میں

حضرتِ قاسمؑ امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضرتِ عباسؑ کو اجازتِ وغا طلب کرتے ہوئے دیکھکر بیقرار ہو جاتے ہیں۔ مرثیہ نگار اس موقعہ پر کہتا ہے

نوشاہ کو یہ سُن کے بڑا غم ہوا اس آن اشک آنکھوں میں بھر کر کہا کیوں چھوٹے چچا جان
فکر آپ کو ہے اپنی ہمارا نہیں کچھ دھیان اکبرؑ ہوں فدا شہ پہ غلام آپ کے قربان
مرنے سے بچے کوئی یہ وہ دن نہیں ہرگز
پر آپ کا جانا ابھی ممکن نہیں ہرگز

آخر بہ ہزار رد و کد جناب قاسمؑ کو میدانِ جنگ کی اجازت ملگئی۔ آپ اپنی والدہ سے رخصت ہونے کے لئے آئے۔ ماں نے گلے سے لگا لیا۔ اور اجازت دے دی۔ حضرت قاسمؑ سب سے رخصت ہو کر میدان کی طرف جاتے ہیں۔

محاکات

لی باگ پری بنگیا رہوار یہیں سے گھوڑے نے طرارے کئے دو چار یہیں سے
نوشاہ کی آنکھیں ہوئیں خونبار یہیں سے کھولی نہ سپر کھینچ لی تلوار یہیں سے
اک اوج ہیں دونوں طرف اک عالمِ ضو تھا
پیچھے مہِ کامل تھا تو آگے مہِ نو تھا

حضرتِ قاسمؑ میدانِ مقابلہ میں پہنچکر رجز خواں ہوتے ہیں۔ فوجِ شام بڑھ کر تیر افگنی سے جنگ کا آغاز کرتی ہے۔

تلوار کی تعریف

تلواریں کھنچیں چھا گئی گھٹا ڈھالوں کی کالی بڑھ بڑھ کے کمانداروں نے صف اپنی نکالی

لہ تیز رفتاری جس میں اُڑنے یا ذقند بھرنے کی نشانی پائی جاتی ہو ؛

جب سینے پہ تیر آئے کچھ اور کچھ گئے خالی غیظ آگیا آزردہ ہوئی خاطرِ عالی
خون چشم ہزبر شہ ذیجاہ میں اُترا
گھوڑا وہیں اڑ کر صف جنگاہ میں اُترا

ساقی مے جرأت کا کوئی جام پلا دے پیمانۂ کوثر مرے ہونٹوں سے ملا دے
ہاں آئینۂ طبع سخن آرا کو دکھا دے کھل جائیں مری تیغ کے جوہر وہ جلا دے
ہر بند میں پھر تیری ہی تقریر دکھا دوں
چلتی ہوئی تلوار کی تصویر دکھا دوں

مرثیہ نگار حضرت قاسمؑ کی شمشیر زنی کا حال اسطرح لکھتا ہے

تلوار کی تعریف

رنگ اڑ گئے ناری ہوئے بیجاں جدھر آئی اک آگ لگائی سرِ میداں جدھر آئی
بھکنے لگی قرنا شرر افشاں جدھر آئی[2] مجمع ہوا اک دم میں پریشاں جدھر آئی
غل تھا کسی شعلہ کی یہ چھل[1] بل نہیں دیکھی
بجلی کے بھی گرنے میں یہ ہلچل نہیں دیکھی

جو پاؤں بڑھاتا تھا وہیں جاتی تھی سر پر خود آتی تھی کیا موت کو بھی لاتی تھی سر پر
ابھری ہوئی دو ہاتھ نظر آتی تھی سر پر وہ غرق تھے سب جن میں یہ لہراتی تھی سر پر
پیر اک تلاطم میں ہراساں نہیں ہوتا
ماہی کو کچھ اندیشۂ طوفاں نہیں ہوتا

---

[1] شوخی و تیزی [2] ایک طرح کی سراسیمگی مراد ہے +

لطفِ تمثیل

دکھلاتی ہی سبکو وہ پری بانکپن اپنا ڈھالوں میں چھپاتے تھے وہ سرکش بدن اپنا
جوہر میں سنوارے ہوے تھی تیغ تن اپنا پوشیدہ نہ رکھتی تھی جو اھر دلہن اپنا
حیرت ہوئی اُسکو جسے پرتو نظر آیا
چھلکے ہوئے تاروں میں مہِ نو نظر آیا

تلوار کی صفائی

اسوار پہ گر کر تہِ زیں آئی جب آئی دو کر کے فرس زیرِ زمیں آئی جب آئی
سردار تھے جس صف میں وہیں آئی جب آئی اللہ ری بلا چیں بجبیں آئی جب آئی
غصے تھی کہ کھا جانے کو سینہ نہیں ملتا
جلدی میں لہو بھی مجھے پینا نہیں ملتا

گھوڑے کی تعریف

تیغ آتی تھی یوں تیرِ شہاب آتا ہی جیسے یا لشکرِ ناری پہ عتاب آتا ہے جیسے
گھوڑے کی ہے آمد کہ عقاب آتا ہی جیسے یا ہوم کے صحرا پہ سحاب آتا ہے جیسے
پر عطرِ عرق میں کبھی بستے نہیں دیکھا
گرمانے پہ بھی اسکو برستے نہیں دیکھا

مبالغہ

برقع میں فرس کے یہ پری ہی کہ فرس ہے سایہ بھی دیکھوں یہ ہوا کو بھی ہوس ہے

جواہر کو مفرد استعمال کیا ہے ؂

صرصر کی یہ آواز ہے یا صوت نفس ہے   سبب وسعت عالم اسے اک تنگ قفس ہے
پھرنے کی جگہ جب نہیں پاتا ہے زمیں پر
اڑکر سوئے گردوں اُتر آتا ہے زمیں پر

ازرق نامی پہلوان کا فرزند مقابلہ کرنے کے لئے سامنے آتا ہے۔

نکلا وہ پرے سے تو بڑھے قاسمِ جرار   نعرہ یہ کیا تول کے شمشیر شرر بار
شاید کہ تو ہی ہے پسر ازرقِ خونخوار   آتا ہے کہاں تھم وہیں او شامیِ غدار
ہم شیر ہیں نزدیک ہرن آ نہیں سکتا
جب دیکھ لیا صید کو پھر جا نہیں سکتا

پسرِ ازرق لاف زنی کرتا ہے۔ جناب قاسمؑ اسطرح جواب دیتے ہیں:-

فرمایا غلط ہے یہ جو کہتا ہے زباں سے   مضبوط اگر ہے تو سر کنا نہ یہاں سے
پڑجائیگا پالا تجھے جب شیر ژیاں سے   نئے[1] تیغ سے کچھ ہوگا تری اور نہ کماں سے
رہ جائینگے دل ہی میں ترے دل کے ارادے
تلوار اسی کے لئے ہے جسکو خُدا دے

یہ سُنکے جفاکار نے مرکب کو بڑھایا   لختِ جگرِ شیر خُدا غیظ میں آیا
نیزہ بہ غضب گوشِ تگاور سے اٹھایا   رہوار اُڑا یُوں کہ ہرن ہو گیا سایا
اُترا تو نہ کچھ دیر تھی پیکار میں باقی
اک نیزہ کا تھا فرق گلُو وغارہ میں باقی

---

[1] "نئے" "نہ" کے معنوں میں متروک ہے۔

رزمیہ

فرمایا کہ ہاں نیزہ کا دعویٰ ہے تو کرو وار
تن تن کے لگانے لگا انیاں وہ ستمگار
تکنے لگے بڑھ بڑھ کے اُدھر فوج کے سردار
دیکھا کیے ہنس ہنس کے ادھر قاسمؑ جرار
دونوں طرف اس جنگ میں کوشش جو بڑی تھی
ازرق کی بھی بیٹے کی طرف آنکھ لڑی تھی

نیزہ بازی سے مقابلہ شروع ہوتا ہے، حضرت قاسمؑ کے نیزے کی اُنی کی تعریف میں مرثیہ نگار کہتا ہے۔

اَنی کی تعریف

مغفر پہ گئی گاہ سناں گاہ سپر پر
شانے پہ کبھی گاہ قفا پر کبھی سر پر
ماتھے پہ کبھی دل پہ کبھی گاہ جگر پر
نازل تھی بلا بعد بلا بانیِ شر پر
ناگن تھی کہ تکتی ہوئی آتی تھی بدن کو
اک شمع کی لو تھی کہ جلاتی تھی بدن کو

آخر کار حضرت قاسمؑ کے ہاتھ سے پسرِ ازرق قتل ہوا۔

دو بھائی ستمگر کے اُدھر سے بہم آئے
پاس انکے اڑا کر فرس تیز دم آئے
مانند اسد قاسمِ گردوں حشم آئے
نعرہ کیا لاشے پہ نہ آنا کہ ہم آئے
کٹ جائینگے سر دخل سر مُو نہ ملیگا
یہ شیر کا مارا ہوا آہو نہ ملے گا

۱؎ انی کی جمع ۲؎ ازرق کے دو بیٹے۔

معرکہ آرائی

بپھرے ہوئے تھے بھائی کے غم میں جو وہ اشرار ‏ اُن دونوں نے حملہ کیا چلنے لگی تلوار
گرما گئے ادہر قاسمؑ نوشاہ نے رہوار ‏ کاوے میں لیا دونوں ستمگاروں کو اکبار
کب تیغ چلی ششدر و حیران تھا جو تھا
اک طول میں چورنگ تھا ایک عرض میں دو تھا

چوتھا بھائی مقابلہ کرتا ہے۔

معرکہ آرائی

چلّے میں لعیں نے بہ غضب تیر کو جوڑا ‏ چلّے سے نہ چھوٹا تھا کہ مُنہ اسپ نے موڑا
یاں سایۂ شمشیر دو دم بن گیا کوڑا ‏ اک شیر سا بس جا ہی پڑا گھوڑے پہ گھوڑا
سہما وہ خطاکار چلی تیغ جو سَن سے
دو ٹکڑے کماں ہو گئی سر اُڑ گیا تن سے

عمر سعد کے طعنوں سے مشتعل ہو کر ازرق خود حضرت قاسمؑ کے مقابلہ کو آیا۔

مُجرا کیا سردار کو اور باگ اُٹھائی ‏ ڈنکا ہوا باجوں کا صدا فوج سے آئی
جس وقت قضا شیر کے مُنہ پر اُسے لائی ‏ اس دیو نے چنگھاڑ کے یہ بات سُنائی
زخمی ہے جگر آنکھ میں تاریک جہاں ہے
مارا ہے مرے بیٹے کو جسنے وہ کہاں ہے

نعرہ کیا قاسمؑ نے کہ او کافر بد مست ‏ آ میں ہوں وہ جسنے کیا بیٹوں کو ترے پست
کیوں ناوکِ غم تیرے جگر میں نہ ہو پیوست ‏ وہ چار یہ دو ٹکڑے وہ بے سر ہی یہ بے دست

کھیلے ہوئے ضیغم کے شکاروں کو اُٹھالے
او پیل دماں پشت پہ چاروں کو اُٹھالے

ازرق جواب سخت دیتا ہے ۔ حضرت قاسمؑ غضبناک ہو جاتے ہیں

گونجا یہ اِدھر سے اسدِ بیشۂ حیدر | وسعت ہی زباں کو بہت آ وار کوئی کر
دیکھے گا یہ تلوار جو چل جائے گی تجھ پر | ہرگز نظر آئیگا نہ یہ تیغ نہ جمدھر[1]

مرگ آمد و ماندست زعمرت نفسِ چند
با شعلہ برابر بود خار و خسِ چند

رزمیہ

یہ سُنکے دھواں اٹھنے لگا اسکے جگر سے | دیکھا سُوئے دلبندِ حسنؑ تند نظر سے
اتنا وہ قریب آگیا غصّے میں اُدھر سے | رہوار کا سر ملگیا رہوار کے سر سے

شاباش کی اک دھوم اِدھر اور اُدھر اُٹھی
واں گُرز اٹھا ہاتھ میں اور یاں سپر اُٹھی

حضرت قاسمؑ تلوار کا وار رد کر دیتے ہیں ۔ شاعر تلوار کی جنگ دکھاتا ہے ۔

لو کھنچتی ہے اب تیغوں کی اور جنگ کی تصوؔیر | نوشاہ کی اور اُس یلِ سرہنگ کی تصویر
دیکھو کہ دکھاتا ہوں نئے ڈھنگ کی تصوؔیر | نکلے گی مرقع میں نہ اس رنگ کی تصویر

سو کاہشوں سے نقش ہر اک حرف کیا ہے
خوں دل کا مصوّر نے یہاں صرف کیا ہے

---

[1] ایک قسم کا آلۂ حرب

میداں بھی لڑائی کا سمندوں نے وہ پایا بجلی تھے ہوا میں نظر آتا تھا نہ سایا
اسواروں نے جس جا انہیں رانوں میں دبایا یہ اڑ کے گیا واں وہ کڑا کر ادہر آیا
گرتا ہے عرق دونوں کے سینوں کا زمیں پر
چھڑکاؤ ہے گھوڑوں کے پسینوں کا زمیں پر

ساقی وہ قدح دے کہ لہو جوش میں آجائے بیہوش بھی نعروں سے مرے ہوش میں آجائے
اژدر کا دم اس تیغ بلا نوش میں آجائے کاٹا سر کافر یہ صدا گوش میں آجائے
شیرانہ لڑائی ہو چلیں وار غضب کے
نشے ہوں ہرن آج دلیرانِ عرب کے

ایک موقع پر مرثیہ نگار نے حضرت قاسمؑ کی شمشیر زنی کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

پیہم جو شقی وار بچاتا ہے ادہر کے
جھالر نظر آتی ہے کنارے میں سپر کے

معرکہ آرائی

ڈھالوں کے وہ لڑنے کی صدا تیغوں کی جھنکار سوزاں ہیں ادہر پھول ادہر پھلپا ہیں شرر بار
حملے پہ تو حملہ ہے بہم وار پہ ہیں وار رہوار پہ رہوار ہے تلوار پہ تلوار
غل ہے کہ پھکیتوں کی یہ کھائی نہیں دیکھی
ایسی کسی لڑکے کی لڑائی نہیں دیکھی

بالآخر ازرق بھی حضرت قاسمؑ کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے۔ اسکے بعد مرثیہ نگار لکھتا ہے کہ:۔

اس دھوپ میں ٹھہرے جو ذرا روک کے شمشیر
پیاس اور سوار ہو گئی حالت ہوئی تغییر
افسوس کہ گرد آ گئی سب فوج چلے تیر
زخمی ہوا لختِ جگرِ شبرؑ و شبیرؑ

کم ہو گئی طاقت جو تھی اُس تشنہ گلو میں
سب ڈوب گیا خلعتِ شاہانہ لہو میں

تیغیں لئے قاتل پئے جنگ و جدل آئے
اِک پیاسے پہ بادل کی طرح دَل کے دَل آئے
مجبور ہے وہ جسکو پیامِ اجل آئے
کھائے جو اُدھر تیر اِدھر سے نکل آئے

اب جنگ ہو گیا اُس قمرِ بُرجِ شرف سے
فوارۂ خوں چھُٹنے لگے دونوں طرف سے

فوجِ شام نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔

لاکھوں ہیں لڑائی میں لڑائے ہوئے جانیں
مُنہ تیروں کا پڑتا تھا کڑکتی تھیں کمانیں
گھوڑا جو بڑھا تیغوں سے زخمی ہوئی رانیں
نزدیک سے چلنے لگیں سینے پہ سنانیں

جائیں کدھر اکبر بھی دکھائی نہیں دیتے
اب سبطِ پیمبرؐ بھی دکھائی نہیں دیتے

حضرت قاسمؑ زخموں میں چُور ہو کر گر پڑتے ہیں۔ جناب امام حسینؑ بھتیجے کے قریب پہنچتے ہیں۔ حضرت قاسم کچھ دیر بعد چچا کے آغوش میں دم توڑ دیتے ہیں ؛

نمودِ سحر

طے کی خدیوِ ملکِ سحر نے جو راہِ شب
سرکی رُخِ فلک سے ردائے سیاہِ شب
برہم ہوئی جماعتِ افواجِ شاہِ شب
آیا غنیم لٹنے لگی بارگاہِ شب
صدمہ ادہر قمر نے سہا انقلاب کا
بیٹھا ادہر زمیں پہ عمل آفتاب کا

طلوعِ خورشید

پھیلا سفیدۂ سحری جبکہ یک بیک
مانندِ قلب پاک مُصفّا ہُوا فلک
پائی زمیں نے مہر کے جلوے سے وہ چمک
ناظر کو جس پہ ہو حلبی آئینہ کا شک
ذرّے چمک کے نور کا گنجینہ بن گئے
کانٹے زمیں پہ جوہرِ آئینہ بن گئے

سبزہ زار

سبزے کی وہ لہک تھی کہ تھی قدرتِ آلہ
شبنم کی وہ چمک کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
کوسوں چمک دمک تھی ضیا تھی کہ واہ واہ
ہوتا تھا ہر خذف پہ نگینہ کا اشتباہ
کیا لطف آب و تاب تھا کیا رنگ ڈھنگ تھا
صحرا کے پتھروں پہ بھی ہیرے کا رنگ تھا

انوارِ سحر

پرنور آسماں تھا منوّر تھے دشت و در
مابین تحت و فوق ٹھہرتی نہ تھی نظر
ذرّے ہوا میں جاتے تھے سوئے فلک ادہر
تارِ شعاعِ شمس تھی پستی میں جلوہ گر

طرفہ سماں تھا قدرتِ حق کے ظہور سے
ہوتا تھا بڑھکے نور بغلگیر نور سے

بہارِ صحرا

وہ دشت وہ بہار وہ جھونکے نسیم کے گویا تھے در کھُلے ہوے باغِ نعیم کے
جلوے عیاں تھے فیضِ عمیم کریم کے ہر سُو رواں تھے قافلے گُل کی شمیم کے
بدلی ہوئی تھی وجد میں حالت جمود کی
جنگل سے آرہی تھیں صدائیں درود کی

کوہ و آبشار

اطراف سبزہ زار پہاڑوں کا وہ سماں پانی سوئے نشیب بلندی سے وہ رواں
سیلان آب صاف سی جلوہ تھا وہ عیاں جسکی جھلک پہ ہوتا تھا مقیش کا گماں
اس دھوپ میں وہ حُسن و صفا ایک حال پر
سہرے بندھے ہوے تھے جبینِ جبال پر

سُبحان اللہ کیا قوتِ بیان کے جوہر دکھائے گئے ہیں۔

دریا و آفتاب

اک سُو رواں وہ دھوپ میں دریا بہ آب و تاب جسکی تڑپ سے معدنِ سیماب کو حجاب
وہ زور شور اور وہ موجوں کا پیچ و تاب رہ رہ کے مچھلیوں کا اُبھرنا بصد شتاب
جنبش سے عکس مہرِ درخشاں فرات میں
ہر بار مثلِ برق تھا جولاں فرات میں

صبحِ گرما

گرمی کی وہ سحر وہ ترائی وہ سبزہ زار شبنم سے تر وہ خشک زمیں سرد وہ کچھار
وہ آہوؤں کا بھاگنا شیروں کی وہ ڈکار آبِ رواں درندوں کا پینا وہ بار بار
افسوس دام و دد کو یہ ساماں تھے چین کے
اور جاں بلب تھے پیاس سے بچے حسینؑ کے

طاعتِ معبود

دشت و جبال و بحر و بر و زمزم و حجر مصروف حق کی یاد میں تھے صورتِ بشر
ہر اک چمن میں شاخ ریاحین و برگ تر تھے محو اپنے حق کی پرستش میں یک دگر
باطن بھی پاک صاف تھی ظاہر تھے سخت بھی
سجدے زمیں پہ کرتے تھے جھک کر درخت بھی

محوِ ثنائے خالقِ یکتا تھی ہر زباں غنچے بھی کھولتے تھے دہن گو نہ تھی زباں
ہر برگِ گل تھا معرفتِ حق میں تر زباں بلبل کو داستانِ تعشق تھی بر زباں
پیدا ہزار درد کا لہجوں میں ڈھنگ تھا
نغموں میں شورِ نالۂ زاہد کا رنگ تھا

تحمید

رنگِ جہاں پہ اشک تھے طاؤس کے رواں قائم جو سرو تھے تو اقامت کا تھا گماں
لالے کے داغ سجدۂ خالق کے تھے نشاں تھی خشک فرطِ حمد سے ہر خار کی زباں
کھلنے میں ہر کلی کی چٹک آہ سرد تھی
خوفِ خدا میں نرگسِ بیمار زرد تھی

لطافتِ ادا

تسبیح خواں درختوں پہ طائر تھے بیشمار
اصوات مختلف وہ خوش آیند و خوشگوار
سُبحان کوئی کہتا تھا خوش ہو کے بار بار
حق سرہٗ کی جوش میں تھی ہر طرف پکار
گُل دم بخود سماعتِ آیات کے لئے
شاخوں کے ہاتھ اُٹھے تھے مناجات کے لئے

تھے قلب یادِ حق میں، زباں پر خدا کا نام
مشغول سرکشی تھے مگر سرکشانِ شام
طاعت سے کچھ غرض تھی نہ ذکرِ خدا سے کام
باتیں تھیں مکر و زور کی اور کفر کے کلام
اک شور تھا کہ اب دمِ تیغ آزمائی ہے
ہاں غازیو علیؑ کے پسر سے لڑائی ہے

زُہد و طاعت

تھے محو یادِ حق میں ادھر سرورِ غیور
رُخ سوئے قبلہ پیشِ نظر رحمتِ غفور
کس شوق سے اقارب و انصارِ ذی شعور
اوراد پڑھ رہے تھے بصد فرحت و سرور
عقبیٰ کا دھیان ذکرِ خدا پر تُلے ہوئے
آیات لب پہ ہاتھ پہ قرآں کھُلے ہوئے

پہلے جو کر چکے تھے فرائض ادا جری
سجدے میں جا کے کرتے تھے شکرِ خدا جری
سمجھے تھے غم کو غم نہ بلا کو بلا جری
کرتے تھے ہاتھ اٹھا کے یہ حق سے دعا جری
یارب امامِ وقت کے ہم جاں نثار ہیں
تیری مدد کے جنگ میں اُمید وار ہیں

فوجِ شام کے مقابلہ پر لشکرِ امام میدان میں پہنچتا ہے۔

واقعہ نگاری

اُٹھ اُٹھکے باندھنے لگے مردانِ دیں کمر گھر میں گئے وداع کو سلطان بحر و بر
برپا ہُوا وُہ حشر وہ ماتم کہ الحذر صدمہ ہوا ٹھہر نہ سکے شاہ بحر و بر
یوں جا کے آپ جلد نکل آئے جبر سے
جس طرح مہر چھپ کے نکلتا ہی ابر سے
جسدم سواریٔ شہ کون و مکاں چلی گلگوں چلا کہ بوئے ریاضِ جناں چلی
شوکت چلی جلو میں ظفر ہمعناں چلی رایت بڑھا سپاہ سعادت نشاں چلی
باندھے ہوئے صفوں کو نمازی پہنچ گئے
میدانِ کارزار میں غازی پہنچ گئے
حُجّت ہوئی تمام لڑائی ہوئی شروع حضرت سے دوستوں کی جدائی ہوئی شروع
اعدائے دیں کی حشم نمائی ہوئی شروع صفدر بڑھے صفوں کی صفائی ہوئی شروع
باگیں اٹھا کے کمیت دو سرنگ کی
اک ایک سرفروش نے لاکھوں سی جنگ کی

رفقاء امامؑ شہید ہو چکے تو عزیزوں کی باری آئی حضرت زینبؑ کے فرزند بھی میدان میں گئے اور شہید ہوئے جسپر حضرت زینبؑ خدا کا شُکر کرنے لگیں اور فرمانے لگیں ۔

بیٹے فدا ہوں شہ پہ یہ تھی آرزو مری
پیاسے ہوئے وہ قتل بڑہی آبرو مری
یہ ذکر تھا کہ قاسمؑ نوشاہ گھر میں آئے باندھے کمر تنے ہوئے تیغ دو دم لگائے

ماں سے کہا کہ رن کی رضا ہم چچا سے لائے جرأت میں فرق آنے نہ دینگے جو سر بھی جائے
رخصت ملی یہ خوشخبری دینے آئے ہیں
اب اذنِ جنگ آپ سے بھی لینے آئے ہیں

حق شناسی

سب جانتے ہیں ہم یہ جو حق ہے امام کا بیٹوں کیطرح عشق انہیں ہے غلام کا
نرغہ ہے آج صبح سے افواجِ شام کا دن امتحاں کا ہے یہی موقع ہے نام کا
جب غیر یوں حصولِ سعادت میں گد کریں
ہم ایسے وقت میں نہ چچا کی مدد کریں

جذبۂ ایثار

ماں نے کہا تمہارے ارادے کے میں فدا واری یہی ہے شیوۂ مردانِ باوفا
مجھکو بھی اسکا دھیان ہے کہتے ہو تم بجا معنے یہی ہیں جرأت وہمت کے مرحبا
ہنگام امتحاں مری جاں یوں ہی چاہیئے
مردوں کو فکر نام و نشاں یوں ہی چاہیئے
کس شیر کے پسر ہو یہ مادر نثار ہو جرار و بردبار و شجاعت شعار ہو
خوش فکر ہو عقیل ہو عالی وقار ہو ہاں عارفِ حقوق سشر نامدار ہو
جانباز ہو نبرد ہو لشکر شکن ہو تم
کیونکر نہ ہو نبیرۂ خیبر شکن ہو تم

ؔ حضرت علی نے قلعۂ خیبر فتح کیا تھا اسلئے آپ کا لقب خیبر شکن ہو گیا ٭

جذبۂ ایثار

کام آئے جب سے حضرت زینب کے نونہال — واری میں سچ کہوں مجھے تشویش تھی کمال
دم کا یہی تھا سوچ یہی تھا یہی خیال — قاسم نے کس لئے نہیں لی رخصت جدال[1]

لیکن خدا نے کی ہے فراست عطا تمہیں
فہمیدہ ایک ہو کوئی سمجھائے کیا تمہیں

پھر فرماتی ہیں کہ اگرچہ ماں کو اپنے فرزند کی مفارقت کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی لیکن

واجب اگر اعانت ابن بتول ہے
مجھ کو خدا کی راہ میں لٹنا قبول ہے

اسی سلسلۂ بیان میں پھر ارشاد ہوتا ہے

درسِ وفا

سوہان روح دردِ دل غم نصیب ہے — شادی بھی ہے عجیب تو غم بھی عجیب ہے
نرغے میں داں حبیبِ خدا کا حبیب ہے — وقتِ غروب مہر امامت قریب ہے

صدقے ہوں کیوں نہ ہم پسرِ بوترابؑ[1] پہ
ذرّہ وہ ہے نثار ہو جو آفتاب پہ

ماں سے رخصت ہو کر قاسمؑ نوشاہ اپنی دلہن حضرت کبریٰ کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے ۔

---

[1] حضرت علی کا خطاب ۔

تم بھی تو کچھ کہو کہ تمہاری رضا ہے کیا　　کیا ہے صلاح نیک طریق وفا ہے کیا
جُز صبر و شکر دردِ جگر کی دوا ہے کیا　　ہے بے بقا محبت دارِ فنا ہے کیا

کچھ دن کا یہ فراق ہے دنیائے زشت میں
لیکن اخیر دونوں ملیں گے بہشت میں

جذبات نگاری

سنکر کلام لخت دل ابن بو تراب　　دل کو دلہن کے ضبط کی مطلق رہی نہ تاب
اٹھا دھواں جگر سے تو آنکھیں ہوئیں پر آب　　فریاد لب پہ آئی پہ مانع ہوا حجاب

گھونگھٹ میں رنگ چہرے کا تغیر ہو گیا
نالہ جگر سے اٹھ کے گلو گیر ہو گیا

الغرض حضرت قاسمؑ یہ کہتے ہوئے دلہن کے پاس سے رخصت ہوئے ؎

منزل ہے دور راہ میں کچھ پیچ پڑ نہ جائے
غربت میں قافلے سے مسافر بچھڑ نہ جائے

حضرت قاسمؑ کو رخصت کرتے ہوئے ان کی والدہ اسطرح دعا دیتی ہیں ؎　　اللہ معرکے میں کرے سرخرو تمہیں

آخر وداع ہو کے حرم سے بصد ملال　　روتا ہوا چلا حسنؑ مجتبےٰ کا لال،
باہر جو آئے خیمے سے دیکھا یہ نتہ کا حال　　آنکھوں میں اشک اور یہ لب خشک بے مقال

آفت جدائی قاسمؑ گل پیرہن کی ہے،
یہ لال میرے پاس نشانی حسنؑ کی ہے

آخر جناب امام عالی مقام نے قاسم کو اجازت دے دی۔

حضرت قاسمؑ عازم میدانِ وغا ہوتے ہیں۔

واقعہ نگاری

گھوڑا اڑا کے قاسمِ گل پیرہن چلے گویا پے وغا شہ خیبر شکن چلے
پڑھتے ہوئے رجز جو بصورتِ حسن چلے دل انکے ہل گئے جو سپاہی تھے منچلے
سب سرکشان لشکر شر کانپنے لگے
نامی دلاوروں کے جگر کانپنے لگے

تشبیہات

پرتو فگن ہے رن میں چراغِ حسن کا نور عارض کی پنکھڑیوں میں ہے صبح چمن کا نور
شبر کا چاند چشم امامِ زمن کا نور ہے جمع ایک آئینے میں پنجتن کا نور
روشن ہوا اس سے گھر شہ عالی جناب کا
ٹکڑا زمیں پہ پھر رہا ہے آفتاب کا

حضرت قاسمؑ میدان مقابلہ میں پہنچکر رجز خوانی کرتے ہیں۔ اسکے بعد کا بند ملاحظہ ہو۔

سُن سُنکے یہ فصاحت فرزند بوتراب جل بھُن کے ناریوں کے جگر ہوگئے کباب
یوں شمر نے کیا پسر سعد سے خطاب ہاں حکم دے کہ فوج بڑھے جنگ کو شتاب

لہ بہادر ٹہ حضرت سرور کائنات حضرت فاطمہ حضرت علی حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ مراد ہیں

باتیں یہ پُر اثر ہیں کسی دل میں گڑ نہ جائیں
حُر کی طرح کچھ اور سپاہی بگڑ نہ جائیں

حضرت قاسمؑ کو میدان میں دیکھکر لشکرِ شام میں حرکت پیدا ہوتی ہے قاسمؑ تلوار کھینچتے ہیں:-

رزمیہ

نکلے سپاہیان جفا کیش و خانہ جنگ
آگے بڑھے یلان رے و شام و مصر و زنگ
ڈھالیں اٹھیں علم ہوئے رایات تیز رنگ
ترکش کھلے کمانیں کھنچیں چل گئے خدنگ
شور بکبیر اٹھا فوجِ شام سے
شمشیر ادھر بھی شیر نے کھینچی نیام سے

تلوار کی تعریف

ہر نخل کو کرتی تھی تیغ دو دم قلم
شاخیں کماں کی قطع تھیں چوب علم قلم
تن چاک چاک اور سر اہل ستم قلم
ہوتے تھے بند بند بسانِ قلم قلم
تیزی غضب تھی قہر دم سر شگاف تھا
جس سمت ہاتھ اٹھ گیا میدان صاف تھا

دستِ اجل کبھی وہ سپے جان و تن بنی
گہ اٹھکے ماہِ نو تہِ چرخِ کہن بنی
پہنا لباس سُرخ تو گل پیرہن بنی
دولہا کی تیغ خوں میں نہا کر دلہن بنی
جانیں کچھ اور اسپہ ہوئیں اس جلوس میں
جلوہ اجل دکھاتی تھی شکلِ عروس میں

رزمیہ

جرأت دلوں سے دُور تو خوف و ہراس پاس
راحت بعید دہشت و اندوہ یاس پاس
زخمی پڑے ہوئے تھے جو مقتول ہیں پاس
امید زیست آ ابھی نہ سکتی تھی آس پاس
پشتے بندھے تن سیہ روسیاہ کے
کشتوں سے بند ہو گئے کوچے پناہ کے

نعرہ یہ تھا کہ افسر لشکر ہے کس طرف
سرکردہ سپاہ ستمگر ہے کس طرف
نکلے مقابلے کو وہ خودسر ہے کس طرف
ہاں ابن سعد شوم و بداختر ہے کس طرف
بتلاؤ خیمہ کونسا ہے روسیاہ کا
کہدو نکل کے دیکھے تلاطم سپاہ کا

پسر ازرق جو ایک مشہور پہلوان تھا حضرت قاسمؑ کے مقابلہ پر آتا ہے۔

معرکہ آرائی

آیا قریب تر جو وہ دشتِ قتال کے
برچھا اٹھایا رخش کو کاوے پہ ڈال کے
انیاں بتائیں اسنے جو بھالا سنبھال کے
تیور ادہر بدل گئے شبرؑ کے لال کے
نعرہ کیا کہ شیر کہیں دبنے والے ہیں
او نیزہ باز ٹھاٹھ یہ سب دیکھے بھالے ہیں

نیزہ بازی

جھپٹا شریر نیزہ خطی کو تان کر
ٹھکرا کے راہوار کو قاسمؑ بڑھے ادہر
گھوڑوں کی جست و خیز سے تھرائے دشت و در
نیزے لڑے سنانوں سے اڑنے لگے شرر

ٹاپوں سے خاک اڑتی تھی دشتِ نبرد میں
دو بجلیاں چمکنے لگیں صاف گرد میں

معرکہ آرائی

دو توسنوں کی جست سنانوں کی وہ چمک جیسے ہوائے تند سے شعلوں میں ہو لپک
بل کھا کے اسنے نیزہ کو تانا جو بیدھڑک دہنی طرف جھجک کے مڑا رخش یک بیک
ظالم کا وار اپنے ہی گھوڑے پہ چل گیا
گردن فرس کی چھد گئی بھالا نکل گیا

رزمیہ

سمٹا تڑپ تڑپ کے اڑا اسپ تیز دم چھوٹی عناں رکابوں سے باہر ہوئے قدم
خود[1] سر کا خود سر سے گرا ہو گیا جو خم چہرے پہ سر کے بال لٹک کر بنے جھلم
وہ رستمی رہی نہ تعلّی وہ گیو[2] کی
پکڑا لپک کے شیر نے چوٹی کو دیو کی
کھینچا جری نے زور سے دیکر اسے تکاں پھینکا اٹھا کے زین سے گرا پیلتن جواں
کاوا دیا سمند کو غازی نے کہکے ہاں کھنچتا ہوا زمیں پہ چلا پیکرِ گراں
مجروح پسلیاں ہوئیں شانے اکھڑ گئے
سب تن کے جوڑ بند کشاکش میں پڑ گئے

پہلے کی طرح ازرق کا دوسرا لڑکا بھی حضرت قاسمؑ کی تلوار کا

---

[1] ایک طرح کا آہنی نقاب [2] پہلوان

شکار ہوا - باقی دو کو بھی ازرق مقابلہ کے لئے بھیجتا ہے

یہ سُنکے بہرِ جنگ وہ دونوں لعیں بڑھے
دو دیوِ زشت جانبِ سلطانِ دیں بڑھے
دو نخلِ بدعت و حسد و بغض و کیں بڑھے
دو تیرہ بخت جانبِ مہرِ مبیں بڑھے
گھوڑے نکالے دونوں نے لشکر کی آڑ سے
دو اژدہے تھے جو ہوئے پیدا پہاڑ سے

حضرت قاسمؑ کے سامنے دونوں کی بدحواسی -

ہوش اڑ گئے شریروں پہ طاری ہُوا ہراس
چھایا دلوں پہ رعب ہوئی زندگی سے یاس
اُسنے نظر کی سوئے چپ اور اسنے سوئے راس
ایک اک کے منہ کو تکنے لگا ہوکے بدحواس
رو دار تھے پہ جنگ سے رُخ انکے پھر گئے
دونوں سوار سب کی نگاہوں سے گر گئے

معرکہ آرائی

جھپٹا جو یہ اسد تو دبکنے[1] لگے لعین
بہر مدد سپاہ کو تکنے لگے لعین
چمکی جو برق تیغ جھجکنے لگے لعین
ڈھالیں سروں پہ رکھ کے سرکنے لگے لعین
انکا جو ہاتھ ادھر کو اُدھر آکے مڑ گیا
اسکی کلائی کٹ گئی سر اُسکا اڑ گیا

تلوار کی تیزی

سر اڑتے ہی گرا جو زمیں پر وہ خیرہ سر
دستِ بریدہ تھام کے بھاگا وہ بے ہنر

---

[1] پیچھے ہٹنا - چھپنے کی کوشش کرنا ؎

بچ کر نکل چلا تھا کہ گھوڑے کو چھیڑ کر
مارا غضب کا ہاتھ ستمگر کے دوش پر
ترچھی وہ سیف جانب صدر بغل گئی
لیتی ہوئی جگر کو کمر سے نکل گئی

چاروں میں ایک ایک جو یوں رنگ ہو گیا
ازرق خود اپنی زیست سے دل تنگ ہو گیا
غصہ سے سرخ روئے سیہ رنگ ہو گیا
ہتھیار سج کے مستعد جنگ ہو گیا
پوچھا رئیس سے نہ کسی خیر خواہ سے
تیغے کو تولتا ہوا نکلا سپاہ سے

رزمیہ

یوں صف سے جھومتا ہوا نکلا وہ خود پرست
جنگل سے جسطرح نکل آتا ہے پیل مست
قد وہ بلند قامت عفریت جس سے پست
وہ ہاتھ جس سے رستم دستاں ہو زیر دست
چھایا ہوا تھا نشہ رخ خود فروش پر
سر جھکا کے تھا خم مے سر جوش جوش پر

کف منہ میں اور دست خیال کمال میں
تن پر زرہ نہنگ ہو جسطرح جال میں
فولادی پھول یوں تھے سیہ رو کی ڈھال میں
جسطرح چار داغ دل بدخصال میں
کوتاہی نظر تھی عیاں چشم تنگ سے
ظاہر سواد قلب تھا چہرے کے رنگ سے

واقعہ نگاری

اس طنطنے سے رن میں جو آیا وہ خیرہ سر
گردن اٹھا کے غور سے دیکھا ادھر ادھر
بل کھا کے دی صدا کہ ہے وہ نوجواں کدھر
جسنے کئے ہیں قتل مرے چار شیر نر

ملہ حقد کینہ بغض عداوت